محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا

پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہم

مرتب

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی

فہرست

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

عنوانات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات
181	مومن کامل بننے کی ضرورت
182	موحد بنا ہے یا مشرک؟
182	اپنے آپ کو اللہ کے حضور پیش کریں!
185	(۴) عورت کی اللہ سے دوستی
186	اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں
186	بینائی کی نعمت
187	سماعت کی نعمت
187	ناک کے عضو کی نعمت
188	زبان کی نعمت
188	ہونٹوں کی نعمت
188	ہاضمے کی نعمت
189	ہاتھوں کی نعمت
189	پاؤں کی نعمت
190	نعمتوں کا شکر کیسے ادا ہو؟
190	عورت کی شکر گزاری
190	عقل سے شہوت کا کنٹرول
191	اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو کوئی نہ کوئی حفاظتی ہتھیار دیا ہے
193	ناموس کی حفاظت کے لیے عقل کا استعمال
194	آج کل کی لڑکیوں کی بے عقلی
194	عورت اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کیسے کرے؟

صفحہ نمبر	عنوانات
195	حفاظت ناموس کے لیے اللہ سے دعا
195	اللہ کی رحمت سے توبہ کی توفیق
197	اجتماع میں آنے کا مقصد
197	محبت کسے کہتے ہیں؟
198	اللہ بندے کا رزق بڑھاتے چلے جاتے ہیں
198	ماں باپ کی محبت نوجوانوں کو انتہائی اقدام سے روکتی ہے
200	تائب گناہگار کے ساتھ رب کریم کا معاملہ
200	عذاب، بندے کی سرکشی پر ملتا ہے
201	ایک نیکی پر جنت
203	اللہ ایمان والوں کے دوست ہیں
203	دوست اپنے دوست کا خیال رکھتا ہے
204	اللہ تعالیٰ کو دوست بنائیے!
204	پائیدار کا عشق ہی پائیدار ہے
205	چالیس سالہ گناہگار کی اللہ سے دوستی
206	بندے اور رب میں فرق
209	صنم اور صمد میں فرق
210	دلوں میں لگی تیری بن گئی
211	آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ عنہا کی فریاد
211	خولہ رضی اللہ عنہا کا مشکل میں اللہ کو پکارنا
213	فقط اللہ ہی کو پکارنا ہے

صفحہ نمبر	عنوانات
215	⑤ مومن کامل کا مقام
216	اللہ کے خزانوں سے نفع لینے کا طریقہ
217	کامیابی کا تعلق اعمال کے ساتھ
217	دین کے لیے طلب ضروری
218	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اظہارِ طلب
219	عالمِ اکبر اور عالمِ اصغر
220	عالمِ اصغر کا حکم عالمِ اکبر پر
221	قرآن مجید سے مثالیں
222	مومن کی سربلندی
223	دنیا مومن کی قدموں میں
223	حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مال
224	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دسترخوان
224	زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی میراث
224	حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہدایہ
225	ایک بدو کا دسترخوان
225	عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی دولت
225	صحابہ رضی اللہ عنہم کی صدقات وخیرات میں وسعت
226	مومن مخلوق سے نہیں، اللہ سے لیتا ہے
227	مومن کی شان
228	دلوں کو جوڑنے والا دین

صفحہ نمبر	عنوانات

فسوف يأتي الله بقوم يحبهم ويحبونه

علاماتِ محبت
اور
داستانِ محبت

علاماتِ محبت اور داستانِ محبت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○
﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ﴾ (المائدہ: ۵۴)
وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ:
((اَحِبُّوا اللّٰهَ مِنْ كُلِّ قُلُوْبِكُمْ)) (جامع العلوم والحکم، ص ۳۲۶)
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

محبت' تمام عالم کی حرکات کا موجب ہے:

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی بعض چیزوں کو قدرتی طور پر بعض چیزوں کی طرف میلان عطا کر دیا ہے۔ یہ میلان اگر بے جان چیزوں میں ہو تو اسے ''کشش'' کہتے ہیں۔ چنانچہ زمین ہر کسی کو اپنی طرف کھینچتی ہے، اسے ''کشش ثقل'' کہتے ہیں۔ چاند بھی اپنی طرف کھینچتا ہے، دوسرے سیارے بھی کھینچتے ہیں، تو یہ ایک کشش (Gravitational Force کشش ثقل) کہلاتی ہے۔ اور اگر یہی کشش دو زندہ لوگوں میں ہو جائے تو اسے ''محبت'' کہتے ہیں۔

اگر آپ غور کریں تو عالم علوی اور عالم سفلی کی جتنی بھی حرکات ہیں، ان کا موجب یہ محبت ہے، کشش ہے۔ عالم علوی میں، آسمان میں، ستاروں کی جتنی بھی حرکات ہو رہی

ہیں وہ بھی کشش کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اور اس کائنات میں انسانوں کے درمیان بھی جو زندگی گزر رہی ہے۔ اس کا سبب محبت ہی ہوتی ہے۔ چاہے وہ شرعی محبت ہو یا غیر شرعی محبت ہو۔ غور ہر کام کے پیچھے آپ کو محبت ہی نظر آئے گی۔ اس کے بغیر نہ ستارے حرکت کر سکتے ہیں نہ ہوائیں چل سکتی ہیں اور نہ بیج زمین سے باہر نکل سکتا ہے۔ ہر چیز کا اصل موجب محبت ہی ہے۔

محبت...... انسانی معاشرت کا نیوکلیس:

انسانی معاشرے کو دیکھیں تو معاشرے کا مرکز اور محور محبت ہی ہے۔ گھر میں دیکھیں تو

- ماں باپ کی اولاد کے ساتھ محبت
- میاں بیوی کی آپس میں محبت
- بہن بھائی کی محبت
- بھائی بھائی کی محبت
- رشتہ داروں کی محبت
- دوسرے مسلمان بھائیوں کے درمیان محبت

ان سب محبتوں سے معاشرت تشکیل پاتی ہے۔ تو یہ محبت اصل میں تمام معاشرے کا نیوکلیس ہے۔ تمام معاشرے کا مرکز ہے۔ اس کی وجہ سے انسان آپس میں مل جل کر رہتے ہیں۔

محبت کا اصل اصول:

لیکن اصل اصول یہ ہے کہ اللہ رب العزت سے بندے کی جو محبت ہے وہ ان تمام محبتوں پر غالب ہونی چاہیے۔ اگر کوئی بندہ کسی سے بھی محبت کرے۔ یہ محبت

اللہ تعالیٰ کی محبت سے بڑھ جائے تو پھر یہ چیز گناہ بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ (التوبۃ: ۲۴)

''اے پیغمبر! (مسلمانوں سے) کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، اور تمہارا خاندان، اور وہ مال و دولت جو تم نے کمایا ہے، اور وہ کاروبار جس کے مندا ہونے کا تمہیں اندیشہ ہے، اور وہ رہائشی مکان جو تمہیں پسند ہیں، تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں، تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرما دے۔''

معلوم ہوا کہ یہ محبتیں جائز ہیں، مگر اللہ کی محبت سے نیچے ہونی چاہئیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اے میرے بندے! تمہارے راستے میں یہ محبتیں آئیں گی، مگر تمہارا کام یہ ہے کہ اگر یہ محبتیں رکاوٹ بننے لگیں تو تم ان محبتوں پر پاؤں رکھ کر آگے گزر جانا، تمہاری اصل منزل کوئی اور ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی محبت ہمارے دلوں میں غالب ہونی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سے پورے دل سے محبت کرو:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو پہلے خطبے میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

((اَحِبُّوا اللّٰهَ مِنْ كُلِّ قُلُوْبِكُمْ)) (جامع العلوم والحکم، ص ۳۲۶)

''(اے ایمان والو!) تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ پورے دل کے ساتھ محبت کرو۔''

بسا اوقات انسان ادھورے دل سے محبت کرتا ہے، یعنی دل میں کئی محبتیں ہوتی ہیں، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سے جب محبت کرو تو پورے دل سے محبت کرو، اپنا دل اللہ کے حوالے کردو، اس دل کو اللہ کی محبت سے بھرلو، اللہ کی محبت سے لبریز کرلو، یہ دل اللہ کے لیے وقف کردو، حتیٰ کہ سینے میں اللہ تعالیٰ کی محبت بھی آجائے۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((أَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوكُمْ مِنْ نِعَمِهِ)) (ترمذی،حدیث:۳۷۸۹)

''اللہ تعالیٰ سے محبت کرو، اس لیے کہ اس نے تمہیں کھانے کے لیے کیا کیا نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے چونکہ ہمیں نعمتوں سے بھی نوازا ہے تو ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے محسن حقیقی اللہ رب العزت سے ٹوٹ کر پیار کریں، دیکھا جائے تو جانوروں کو بھی اپنے محسن سے محبت ہوتی ہے، ہم تو پھر انسان ہیں۔

لفظ ''اللہ'' محبت کی دعوت دیتا ہے:

یہ جو ''اللہ'' کا لفظ ہے یہ محبت کی دعوت دیتا ہے۔ یہ ولاءٌ سے بنا اور عربی زبان میں ولاءٌ اور وَلِہٌ کا معنی محبت ہوتا ہے۔ اردو زبان میں بھی ''والا'' کا مطلب ہوتا ہے ''شیدا'' یعنی محبت کرنے والا۔ چنانچہ حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کے نام کا جو ترجمہ کیا ہے وہ ''من موہن'' کیا ہے، یعنی دل کو پسند آنے والا۔ تو جب ہم اللہ کو ''اللہ'' کے نام سے پکارتے ہیں تو ہم دوسرے لفظوں میں کہہ رہے ہوتے ہیں: ''اے ہمارے دلوں کے محبوب!'' تو اللہ تعالیٰ کا نام ہی ایسا ہے کہ جس کا

وہی اس کا محبوب بنتا ہے۔

عشق کی چڑیا فقط انسان کو ملی ہے:

اور یہ محبت کرنا دل کا کام ہے۔ حواس خمسہ کی جو لذتیں ہیں، ان میں تو جانور بھی انسان کے ساتھ شریک ہیں۔ انہیں بھی حواس خمسہ کی لذتیں ملتی ہیں اور حیوانوں کو بھی ملتی ہیں، لیکن دل کی محبت کا مزہ صرف انسان کا خاصہ ہے، اس میں جانور شریک نہیں ہیں، یہ چیز انسان کو جانوروں سے ممتاز کر دیتی ہے۔

"اللہ" کا لفظ قرآن مجید میں 2698 مرتبہ استعمال ہوا۔ یعنی اللہ رب العزت نے اپنے نام کو کثرت سے استعمال کیا کہ میرے بندے میرے ساتھ محبت کا تعلق رکھیں گے۔ ہر تھوڑی تھوڑی دیر بعد میرا نام پڑھیں گے تو ان کے دلوں میں میری محبت بھرے گی اور ان کو میرا نام پڑھنے کا مزہ آئے گا۔ یہ عشق کی چڑیا اللہ رب العزت نے فقط انسان کو عطا فرمائی ہے۔ چنانچہ کہنے والے نے کہا: ؎

ہر کہ عاشق شد جمال ذات را
او ست سید جملہ موجودات را

"ہر وہ بندہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کا عاشق ہو جاتا ہے، وہ باقی تمام مخلوق کا سردار بن جاتا ہے۔"

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

اگر دین میں سے اللہ تعالیٰ کی محبت کو الگ کر دیا جائے تو باقی چند تصورات کے سوا اور کوئی چیز نہیں بچتی۔ اس لیے دین کی بنیاد اصل میں اللہ رب العزت کے ساتھ محبت ہی ہے۔

عشاق کی دو قسمیں

عاشق کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

① عاشقِ ذاتی:

ایک ہوتا ہے عاشقِ ذاتی، جیسے ماں کو بیٹے سے محبت ہوتی ہے، بیٹا خوبصورت ہو تو بھی محبت ہوتی ہے اور خوبصورت نہ ہو تو بھی محبت ہوتی ہے، اس لیے کہ وہ ماں ہے۔ یہ ذاتی محبت کہلاتی ہے۔ کچھ بندوں کو اللہ تعالیٰ سے ذاتی محبت ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، مگر اس کے بدلے وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز طلب نہیں کرتے، بلکہ اللہ کی رضا ہی کے طلب گار ہوتے ہیں۔

مشہور واقعہ ہے کہ رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا پر ایک دفعہ عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ اس کیفیت میں انہوں نے ایک ہاتھ میں پانی کا لوٹا لیا اور دوسرے ہاتھ میں تھوڑی سی آگ لی اور چل پڑیں۔ کسی نے پوچھا کہ کہاں جا رہی ہیں؟ کہنے لگیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ جنت کی طلب میں اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور بعض لوگ جہنم کے خوف سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ میں چلتی ہوں، اگر ہو سکے تو میں جنت میں آگ لگا دوں اور جہنم کی آگ کو بجھا دوں، تاکہ اللہ کے بندے فقط اللہ کی رضا کے لیے اس کی عبادت کر سکیں۔ یہ ان کی ایک کیفیت تھی کہ ہم اللہ سے اعمال کا کچھ بدلہ نہ چاہیں، فقط اللہ کو راضی کریں، اللہ کی رضا حاصل ہو جائے، اس سے بڑھ کر اور کیا جزا ہو سکتی ہے؟ تو یہ حضرات عاشقِ ذاتی کہلاتے ہیں۔

② عاشقِ احسانی:

کچھ ہمارے جیسے عاشق ہوتے ہیں، وہ عاشقِ احسانی کہلاتے ہیں۔ یعنی جب

اللہ تعالیٰ نعمتیں دیتے ہیں تو منعمِ حقیقی سے محبت ہو جاتی ہے۔ ہم نے جانوروں کو بھی دیکھا کہ اگر لوگ جانوروں کو کچھ غذا دینی شروع کر دیں تو جانور ان سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ سرکس میں آپ نے شیر کو دیکھا ہوگا کہ جو اسے خوراک کھلانے والا بندہ ہوتا ہے، وہ اس کے منہ میں بھی ہاتھ ڈال دے تو شیر اس کو کچھ نہیں کہتا۔ اگر درندے بھی اپنے پالنے والے اور اپنے احسان کرنے والے کے ساتھ اتنی محبت کا اظہار کرتے ہیں تو انسان تو بالآخر انسان ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں دین دیا، صحت کی سلامتی دی، عزتیں دیں، معلوم نہیں کتنی کتنی نعمتیں دیں، جو ہم گن بھی نہیں سکتے۔ تو محسنِ حقیقی سے محبت کرنا انسان کی فطرت ہے۔ ’’اَلْاِنْسَانُ عَبْدُ الْاِحْسَانِ‘‘ (انسان احسان کا بندہ ہوتا ہے۔) لہٰذا ہمیں بھی اپنے منعمِ حقیقی اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔

ہماری یہ محبت، محبتِ احسانی ہے۔ اسی لیے جب ذرا سے حالات بدلتے ہیں تو ہماری تمام محبتیں ختم ہو جاتی ہیں، اور انسان غفلت کا شکار ہو جاتا ہے۔ پھر پوچھیں: بھئی! آپ مسجد کیوں نہیں آتے؟ کہتے ہیں: جی کاروبار میں کچھ اونچ نیچ ہے، ٹھیک ہو جائے گی تو آ جاؤں گا۔ یعنی ہم مسجد بھی تب آتے ہیں جب کاروبار وغیرہ ٹھیک ہوتا ہے، اگر کچھ خراب ہو جائے تو پھر مسجد آنا بھی یاد نہیں ہوتا۔ ان کو کہتے ہیں: عاشقِ احسانی، یعنی یہ احسان کی وجہ سے عاشق ہوتے ہیں۔

عاشق بننے کے لیے کٹنا پڑتا ہے:

عاشق بننے کے لیے باقی تمام چیزوں سے قلبی طور پر کٹنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت ملنے کی شرط یہ ہے کہ بندے کے دل میں کسی اور چیز کی محبت نہ ہو۔ مراد یہ ہے کہ فقط شرعی محبتیں دل میں ہوں، نفسانی، شہوانی، شیطانی محبتوں سے دل پاک ہو۔ اسی لیے فرمایا:

﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا﴾ (المزمل: ۸)

''اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو، اور سب سے الگ ہو کر پورے کے پورے اسی کے ہو رہو۔''

تبتل کے معنی مفسرین نے لکھے ہیں: اخلاص اختیار کر اور ہر چیز پر اللہ کو ترجیح دے۔ اور بعض مفسرین نے لکھا کہ تبتل سے مراد یہ ہے کہ جو چیز تجھے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے سے روکے تو پھر قدم رکھ کر اس کو کاٹ دے اور قدم رکھ کر آگے چلا جا، تاکہ تو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکے۔ جب تک انسان قلبی طور پر مخلوق سے نہیں کٹے گا اس وقت تک اللہ تعالیٰ سے نہیں جڑ سکے گا۔ مخلوق سے کٹنا ضروری ہے، کہ دل میں محبت ہو تو فقط اللہ کے لیے ہو اور کسی کی محبت دل میں غالب نہ ہو۔ دل کو ماسویٰ سے خالی کرنا لازم ہے۔

اللہ کی محبت اور ماسویٰ کی محبت ایک دوسرے کی ضد ہیں:

یہ چیز ذہن میں رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ماسویٰ کی محبت یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں، قلب میں ایک ہی چیز آسکتی ہے۔ اگر ماسویٰ کی محبت ہوگی تو اللہ تعالیٰ اپنی محبت دل میں نہیں ڈالیں گے اور اگر دل ماسویٰ کی محبت سے خالی ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنی محبت دل میں عطا فرما دیں گے۔

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں بندے کے دل کو محبت کی نظر سے دیکھتا ہوں، جب دیکھتا ہوں کہ وہ ہر غیر سے خالی ہے تو ایسے دل کو میں اپنی محبت سے بھر دیا کرتا ہوں۔''

ہمیں اللہ تعالیٰ کی محبت پانے کے لیے اپنے دل کو ماسویٰ سے خالی کرنا پڑے گا، ان دونوں محبتوں میں سے جو قوی ہوتی ہے، وہ دوسری محبت کو دل سے نکال دیتی

ہے۔ چنانچہ اگر نفسانی محبت قوی ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی محبت کی لذت انسان محسوس نہیں کر سکے گا اور اگر اللہ تعالیٰ کی محبت غالب ہوگی تو ایسا بندہ نفسانی محبتوں سے بچا رہے گا۔

محبتِ الٰہی سے اعراض پر عذاب:

اور یہ چیز ذہن میں رکھیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت سے اعراض کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس بندے کو غیروں کی محبت میں گرفتار کر دیتے ہیں۔ یہ محبتِ غیر بھی ایک عذاب ہے۔ جیسے ہم دوسری چیزوں کو عذاب سمجھتے ہیں اسی طرح مخلوق کی نفسانی اور شیطانی محبتیں بھی اللہ تعالیٰ کا عذاب ہیں۔ اور یہ عذاب اس لیے ہیں کہ وہ بندہ اللہ کی محبت سے اعراض کر رہا ہوتا ہے۔ اس لیے آپ دیکھیں گے کہ ایسے بندے بتوں سے محبت کرتے ہیں، عورتوں سے محبت کرتے ہیں، امرد (بچوں) سے محبت کرتے ہیں، کاروبار سے محبت کرتے ہیں، جاہ سے محبت کرتے ہیں، اللہ سے محبت کی لذت ان کو نصیب نہیں ہوتی۔ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ان کو اس عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ تم میری محبت کے لیے پریشان نہیں ہوتے، اس کے لیے کوشش نہیں کرتے، میں بھی تمہیں غیر کے حوالے کر دیتا ہوں، لہٰذا وہ بندہ غیر کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے۔

سب سے زیادہ شریک نفس کو بنایا گیا:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ (الجاثیہ: ۲۳)

’’پھر کیا تم نے اسے بھی دیکھا جس نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنالیا ہے۔‘‘

تو جیسے اللہ کی عبادت ہوتی ہے، ایسے ہی نفس کی بھی عبادت ہوتی ہے۔ اور یہ چیز ذہن میں رکھیں کہ پوری کی پوری کائنات میں کسی بت کی اتنی عبادت نہیں ہوئی جتنی عبادت انسان نے اپنے نفس کی کی ہے۔ اس کائنات میں سب سے زیادہ اللہ کی عبادت ہوئی ہے، یا پھر اللہ کے بعد انسان نے اپنے نفس کی پوجا کی ہے۔ یہ سب سے بڑا معبود ہے، جو اللہ کے ساتھ شریک بنتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کو یہ نفسانی محبتیں بالکل ناپسند ہیں۔

ڈھلنے والوں سے محبت پائیدار نہیں ہوتی:

انسان اگر اللہ تعالیٰ کا عاشق بننا چاہے تو اس کو ہر غیر سے، ماسویٰ سے کٹنا پڑے گا۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی مثال دیکھ لیجیے کہ انہوں نے ستارے کو دیکھا تو فرمایا:

﴿قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ﴾ (الانعام: ۷۶)

''میں ڈھلنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔''

تو انسان مرنے والوں سے اور ڈھلنے والوں سے محبتیں چھوڑ دے اور اس ذات سے محبت کرے جو حی و قیوم ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ؎

عشق با مردہ نہ باشد پائیدار
عشق را باحی و با قیوم دار

''مرنے والوں سے اور ڈھلنے والوں سے محبت پائیدار نہیں ہوتی، محبت کرنی ہے تو اس ذات سے کرو جو ہمیشہ زندہ رہنے والی اور قیوم ذات ہے۔''

جلوت کے لیے خلوت ضروری ہے:

محبت کے قابل تو فقط اللہ کی ذات ہے، محبت تو فقط اللہ تعالیٰ کو جچتی ہے کہ انسان ٹوٹ کر اپنے اللہ سے پیار کرے۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا:

﴿فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ﴾ (الشعراء: ۷۷)

''بے شک وہ میرے دشمن ہیں، سوائے اللہ تعالیٰ کے۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا باقی ہر چیز انسان کو اپنی دشمن محسوس ہونے لگ جائے۔ انسان کا ہر غیر سے قطعِ تعلق ہو جائے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل میں اپنی محبت ڈالتے ہیں۔ اسی کو حضرت خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی

جب تک انسان دل میں خلوت نہیں پیدا کرے گا، اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اپنی تجلی گاہ نہیں بنائے گا، اللہ کی جلوت نصیب نہیں ہوگی۔

ایک تم سے کیا محبت ہو گئی
ساری دنیا ہی سے وحشت ہو گئی

جب محبت ہو جائے تو پھر اگر محبوب کسی بات پر ناراضگی کا اظہار کرے تو انسان کو اس کی ناراضگی بری نہیں لگتی۔ فرمایا:

لاکھ جھڑکو اب کہاں پھرتا ہے دل
ہو گئی اب تو محبت ہو گئی

یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب نعمت ہے۔ اور آگے عجیب بات فرماتے ہیں:

پڑ گئی تھی ان پہ بھولے سے نظر
بات اتنی تھی قیامت ہو گئی

واقعی اللہ تعالیٰ کی محبت کا رشتہ جب دل میں جڑ جاتا ہے تو انسان کی زندگی میں پھر انقلاب آ جاتا ہے۔

بندے کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامات

ہمیں کیسے پتہ چلے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے انکی محبت ہے یا نہیں؟ ہمارے اکابر نے اس کی علامات بیان کی ہیں، ہم ان علامات کے ذریعے اپنے دل کی کیفیت کو جانچ سکتے ہیں، اس کی پڑتال کر سکتے ہیں۔

پہلی علامت

اللہ کی طلب میں بے قرار ہونا

پہلی علامت یہ ہے کہ اگر انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہو تو اللہ تعالیٰ کی طلب میں اس کو بے قراری محسوس ہوتی ہے۔ نفسانی محبتوں میں بھی لوگ ایک دوسرے کو Miss کرتے ہیں، آپ آج کل یہ فقرہ سنیں گے:

I love you. I Miss you.

لیکن یہ Miss you کی کیفیت اللہ کے بارے میں ہو کہ انسان اللہ کے لیے اداس ہو اور اللہ تعالیٰ کو Miss کرے اور پھر اس کا دل چاہے کہ میں اللہ سے ملاقات کروں۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات انسان ویسے تو نہیں کر سکتا، نہ ہم کلامی کر سکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے نماز کو بہانہ بناتا ہے۔ اسی لیے ہمارے اکابر بار بار نماز پڑھتے تھے، لمبی لمبی نمازیں پڑھا کرتے تھے، ساری ساری رات عبادت کرتے تھے۔ اصل میں ان کی نماز محبوب سے ملاقات کا ذریعہ ہوتی تھی، وہ کوئی حاکم کی بیگار نہیں ہوتی تھی، بلکہ تقدے یار کا سبب بن گئی تھی۔ اس لیے وہ پوری پوری رات نماز میں گزار دیا کرتے تھے۔

جب انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے لئے بے قراری ہو تو اس کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے اندر سے سستی ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے بندے کی طبیعت میں سستی ہرگز نہیں ہوتی۔ جو لوگ کہتے ہیں: او جی! کیا کریں ہم تو سستی کی وجہ سے کچھ کر ہی نہیں سکتے تو ہم ان کو کہتے ہیں کہ بھئی! سستی کا علاج چستی ہوتی ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ محبت میں ہمت سے قدم آگے بڑھائیں تاکہ ہم اعمال کو پابندی کے ساتھ کر سکیں۔

دوسری علامت

نماز کا ذوق و شوق ہونا

اللہ تعالیٰ سے محبت کی دوسری علامت یہ ہے کہ وہ کثرت سے سجود کرتا ہے۔ یعنی اکثر و بیشتر نماز و نوافل کے اندر مشغول رہتا ہے۔ جیسے دنیا میں کسی سے محبت ہو تو انسان بار بار اس سے ملنے کے بہانے ڈھونڈتا ہے کہ ملاقات ہو جائے، چہرے پر نظر پڑ جائے۔ مومن اس دنیا میں اللہ تعالیٰ سے محبت کیسے کر سکتا ہے؟ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے نماز کو بہانہ بنا دیا۔ اے میرے بندے! جب تیرا مجھ سے ملنے کا دل کرے تو آ کر مصلے پر کھڑا ہو جا اور دو رکعت کی نیت باندھ لے، ایسے عبادت کر جیسے تو اپنے محبوب حقیقی کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو تو کم از کم یہ تصور باندھ لینا کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، تیرے دل کو تسلی مل جائے گی۔ رب کریم نے ہم پر کتنی مہربانی فرمائی کہ جنت میں دیدار ہوگا مگر فرمایا کہ دنیا میں اس دیدار کا تم تصور کر سکتے ہو۔۔۔!

نماز اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا بہانہ:

اس لیے ہم نے دیکھا ہے کہ جس بندے کی شادی ہوئی ہو وہ اپنے تخیل میں کسی

عشق والوں کو جب آفتاب نے دیکھا ہے؟ وہ تو اللہ کی محبت میں نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں۔

تیسری علامت

رات کو اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی باتیں کرنا

تہجد کی نماز میں رات کو کھڑا ہونا اور اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کی باتیں کرنا یہ بھی محبت کی علامت ہوتی ہے۔

مجھ کو اپنا ہوش نہ دنیا کا ہوش ہے
بیٹھا ہوں مست ہو کے تمہارے خیال میں
تاروں سے پوچھ لو میری رودادِ زندگی
راتوں کو جاگتا ہوں تمہارے خیال میں

تو محبت انسان کو راتوں کو جگاتی ہے۔ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ جن کے آپس میں کوئی تعلقات بن جاتے ہیں تو رات کو وہ بیٹھے ٹیلی فون ہو رہا ہے، ان کے ٹیلی فون ہو رہے ہیں، رات کو میسج ہو رہے ہیں۔ ساری ساری رات جاگتے ہیں، محبت ان کو سونے نہیں دیتی، سوتے وہی ہیں جو غفلت میں گرفتار ہوتے ہیں۔

نبی علیہ السلام کا سجدۂ محبت:

سیدہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے محبوب ﷺ رات کو عبادت کرتے تھے، ایک دفعہ تو لمبا سجدہ فرمایا کہ مجھے ڈر لگنے لگا کہ کہیں نبی علیہ السلام کی وفات تو نہیں ہوگئی، میں نے نبی علیہ السلام کے پاؤں کے انگوٹھے کو پکڑ کر ہلایا، دیکھنے کے لیے کہ ابھی زندگی ہے یا نہیں۔ (الترغیب والترہیب: ۳/ ۳۰)

اتنا لمبا سجدہ کیا کہ دیکھنے والے کو یہ ڈر لگنے لگا کہ کہیں روح تو نہیں پرواز کر گئی۔۔۔! کتنا لمبا سجدہ کیا ہوگا! گھنٹوں کا سجدہ ہوگا۔ اللہ کے حبیب ﷺ اللہ کی بارگاہ میں ایسا سجدہ کیا کرتے تھے۔

امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا معمول:

امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال ایسے گزارے کہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہ ان کا معمول تھا۔

حضرت مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کا سجدہ:

کہتے ہیں کہ مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ بہت لمبا سجدہ کیا کرتے تھے۔ کسی نے کہا کہ حضرت! اتنا لمبا سجدہ کیوں کرتے ہیں؟ فرمانے لگے: جب میں سجدہ کرتا ہوں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنے پروردگار کے قدموں پر سر رکھ دیا ہے، اب میرا سر اٹھانے کو دل ہی نہیں کرتا۔ یہ ان کی محبت کی کیفیت ہوتی تھی۔۔۔! اللہ کے حبیب ﷺ کو بھی ایسی ہی لذت ملتی تھی کہ سجدے میں سر ڈالتے تھے، پھر سر اٹھانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

ایک اللہ والے کی عبادت:

ایک اللہ والے تھے۔ ساری ساری رات اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ ایک دن اشراق کے بعد تھوڑی دیر کے لیے بیٹھے بیٹھے نیند آگئی، جب آنکھ کھلی تو کہنے لگے:

«أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَيْنٍ لَا تَشْبَعُ مِنَ النَّوْمِ»

(المدخل لابن الحاج: ۱/۲۹۵)

''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ایسی آنکھ سے جو نیند سے سیر ہی نہیں ہوتی۔''

حالانکہ ساری رات جاگتے رہتے تھے مگر اس کے بعد بھی تھوڑی دیر کا سونا ان کو پسند نہیں تھا۔ تو جن کو محبت ہوتی ہے ان کی راتیں اسی طرح جاگتے گزرتی ہیں۔

ایک عاشقِ خدا باندی کی عبادتِ شبانہ:

ایک شخص کہتے ہیں کہ میں ایک باندی کو گھر کے کام کاج کرنے کے لیے لایا۔ وہ کمزور سی تھی، دبلی پتلی سی تھی مگر گھر کے کام کاج وہ بہت اچھے کرتی تھی۔ جب رات کا وقت آتا تو وہ پوچھتی کہ آپ کو میری ضرورت ہے؟ میں کہتا نہیں، تو وہ مصلے پر کھڑی ہو جاتی اور ساری رات عبادت میں گزار دیتی۔ ایک دن میری آنکھ کھلی تو وہ تہجد میں اللہ کے حضور دعا مانگ رہی تھی: "اے اللہ! آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم"۔ جب اس نے یہ بات کی تو میں نے اس کو آواز دی: اے لڑکی! ایسے یوں بات کر کہ اللہ! آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم؟ یوں کہو کہ اللہ! مجھے آپ سے محبت رکھنے کی قسم۔ اگر واسطہ ہی دینا ہے تو اپنی محبت کا دو۔ کہنے لگا: جب میں نے یہ کہا تو وہ ناراض ہونے لگی اور کہنے لگی: میں تو ٹھیک کہتی ہوں کہ اللہ! آپ کو مجھ سے محبت رکھنے کی قسم۔ اور پھر کہنے لگی کہ اگر اللہ کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو وہ مجھے ساری رات نہ جگاتا اور تجھے ساری رات بستر پر نہ سلاتا۔ مجھے جو مصلے پر کھڑا کیا ہے تو محبت سے ہی کھڑا کیا ہے۔

مصلے پر وقت گزارنا آسان نہیں:

تو یہ حضرات ساری ساری رات اللہ کی محبت میں جاگتے تھے اور اللہ کی عبادت میں گزارتے تھے۔ مصلے پر کھڑے ہو کر گزارنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا، کوئی دو گھنٹے گزار کر دیکھ لے، پندرہ منٹ بعد کمر میں تکلیف شروع ہو جاتی ہے، کئی راتوں میں

تکلیف، کبھی گھٹنوں میں تکلیف، کبھی پاؤں میں تکلیف، عشق بندے کو پچھاڑ کر چھینک دیتا ہے۔ مصلے پر وہی بیٹھ سکتا ہے جس کے دل میں اللہ کی محبت بھی ہوئی ہوتی ہے۔ ہمارے اکابر اللہ کی محبت میں ساری ساری رات مراقبے میں گزار دیتے تھے۔ وہ مصلے پر آتے تھے، اس طرح پرسکون ہو جاتے تھے جیسے بچہ ماں کی گود میں آکر پرسکون ہو جاتا ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت ہے۔

رات اچھی نہیں، مگر راز و نیاز کے ساتھ:

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اے اللہ! دن اچھا نہیں لگتا مگر تیری یاد کے ساتھ اور رات اچھی نہیں لگتی، مگر تجھ سے راز و نیاز کے ساتھ۔"

آج نوجوانوں کے دل میں راز و نیاز کرنے کی تڑپ نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے سچ کہا: ؎

کس قدر تجھ پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے، ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

آج تو نیند پیاری ہے کہ انسان ساری رات سوتا ہے۔ ٹانگ کھینچتے ہیں اور بھر کر سوتے ہیں، یہیں وہ نشانی ہماری زندگی میں نظر آتی ہے۔ ہم اللہ کی عبادت کے لیے رات کو جاگنے کے لیے تڑپ رہے ہوں، ترس رہے ہوں، یہ نشانی نظر نہیں آتی۔

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ہمارے اکابر رات کے اندھیرے کا اس طرح انتظار کیا کرتے تھے جیسے دولہا اپنی دلہن سے ملاقات کے لیے رات کا منتظر ہوا کرتا ہے۔ وہ رات کو اپنے رب سے مناجات میں

مشغول ہوتے تھے، اس لیے اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں فرمایا:

﴿كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ (الذاریات: ۱۷-۱۸)

''وہ رات کے وقت کم سوتے تھے، اور سحری کے اوقات میں وہ استغفار کرتے تھے۔''

﴿تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ﴾ (سجدہ: ۱۶)

''ان کے پہلو (رات کے وقت) اپنے بستروں سے جدا ہوتے ہیں، وہ اپنے پروردگار کو ڈر اور امید (کے ملے جذبات) کے ساتھ پکار رہے ہوتے ہیں، اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے، وہ اس میں سے (نیکی کے کاموں) میں خرچ کرتے ہیں۔''

چوتھی علامت

تلاوت قرآن میں مزہ آنا

اور ایک نشانی یہ ہے کہ انسان کو تلاوت قرآن پاک میں مزہ آتا ہے۔ چونکہ جب محبوب سے محبت ہوتی ہے تو اس کے کلام سے بھی محبت ہوتی ہے۔ اس کا خط مل جائے تو وہ بار بار پڑھتے ہیں، اس کے Messages (پیغام) بار بار پڑھتے ہیں۔ ایک دوسرے کو بتاتے ہیں کہ میں نے تمہارا میسج دس دفعہ پڑھا، میں نے تمہارا میسج پانچ دفعہ پڑھا۔ ایسے ہی جس کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے، پھر اس کو قرآن پاک کی تلاوت کا مزہ آتا ہے۔ سیدنا عثمان غنیؓ فرمایا کرتے تھے:

"لَوْ طَهُرَتْ قُلُوْبُكُمْ مَا شَبِعْتُمْ مِنْ كَلَامِ اللّٰهِ"

"اگر تمہارے دل پاک صاف ہوتے (ان پر گناہوں کے اثرات نہ ہوتے) تو کلام اللہ کی تلاوت سے کبھی تمہارا دل نہ بھرتا۔"

(جامع الاحادیث للسیوطی: ۴۹/۲۳۳)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں 60 مرتبہ قرآن پاک پڑھا کرتے تھے۔ ایک قرآن پاک دن میں، ایک قرآن پاک رات میں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ گیا تو مجھے راستے میں 16 دن لگے اور میں نے سولہ دنوں میں سولہ قرآن پاک مکمل کیے۔

ان اکابر کے دلوں میں اللہ کی محبت اتنی تھی، قرآن پاک پڑھنے سے ان کو عشق تھا۔ جب دیکھو قرآن پاک پڑھ رہے ہوتے تھے۔ یہ شوق ایسے تھا جیسے آج کل نوجوان بچے اور بچیاں ڈائجسٹ پڑھتے ہیں، اس میں عورتیں عشق مجازی سے متعلقہ کہانیاں پڑھتی ہیں۔ کیوں؟ دل نفسانی محبتوں میں اٹکا ہوا ہوتا ہے، اس لیے ایسی کہانیاں اچھی لگتی ہیں۔ جن کو اللہ سے محبت ہوتی ہے، وہ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ سے محبت کی داستان سمجھ کر پڑھ رہے ہوتے ہیں اور ان کا دل پھر اس قرآن پاک کی تلاوت سے بھرتا ہی نہیں۔

پانچویں علامت

اطاعت میں مزہ آنا

ایک علامت یہ ہے کہ جن کو اللہ سے محبت ہوتی ہے ان کو نبی علیہ السلام کی اطاعت میں مزہ آتا ہے۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار ہیں:

تَعْصِي الْإِلٰهَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهُ
هٰذَا لَعَمْرِيْ فِي الْفِعَالِ بَدِيْعُ
لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَأَطَعْتَهُ
إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُحِبُّ مُطِيْعُ

(دیوان عبداللہ بن مبارک، ص ۱۴)

چھٹی علامت

انتھک عبادت کرنا

ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے اس کو پھر عبادت سے تھکاوٹ نہیں ہوتی۔ ہم نے اپنے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کو بارہا دیکھا، لمبا سفر کر کے گھر آتے تھے اور ایسے لگتا تھا کہ اب تو اتنی تھکن ہے کہ حضرت بس جاتے ہی لیٹ جائیں گے، لیکن حضرت جا کر بیٹھتے تھے، پھر مجلس میں کسی کو کہتے تھے: قرآن پڑھو۔ وہ قرآن پڑھتا تھا، حضرت کی طبیعت سے تھکاوٹ ہی ختم ہو جاتی تھی۔ ہم کئی دفعہ پوچھتے بھی تھے کہ حضرت! آپ نے تو سفر میں فرمایا تھا کہ بہت تھکن ہے، لیکن اب تو آپ بالکل Fresh (ترو تازہ) بیٹھے ہیں۔ حضرت فرماتے تھے کہ قرآن مجید جب پڑھا جاتا ہے تو میری تھکن بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک ماں سارا دن کام کر کر کے تھکی ہوئی ہو اور وہ اپنی بیٹی سے کہے کہ بیٹی! آج میں بہت تھک گئی ہوں، میں عشاء کی نماز پڑھ کر سو جاؤں گی، مجھے آج کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔ اور اللہ کی شان! اس ماں کا بیٹا جو بیرون ملک گیا ہوا تھا، وہ مغرب کے بعد اچانک گھر آ جائے اور پہنچ کر دستک دے، اب اس کو

دیکھتے ہی خوش ہو جاتی ہے، اس کو سینے سے لگاتی ہے، بیٹی کو کہتی ہے: بھائی کو کھانا دو۔ اس کے پاس بیٹھتی ہے، اس کو کھانا کھلاتی ہے اور اس سے باتیں کرتی ہے۔ اب گھنٹہ دو گھنٹے اس سے باتیں کر رہی ہے، بہت فریش ہے۔ بیٹی کہتی ہے: امی! آپ تو کہہ رہی تھیں کہ میں تھکی ہوئی ہوں، مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے، ابھی تو آپ بالکل فریش بیٹھی ہیں۔ ماں جواب دے گی کہ بیٹی! میں تھکی ہوئی تو تھی، لیکن تمہارے بھائی کا چہرہ دیکھتے ہی میری سب تھکاوٹ ختم ہو گئی۔ ابھی میں اور بھی کئی گھنٹے اس کے ساتھ بات چیت کر سکتی ہوں۔ جیسے ماں محبت کی وجہ سے بیٹے سے بات کرتے ہوئے نہیں تھکتی، اسی طرح جن کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے نہیں تھکتے۔

ایک بزرگ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ستر سال کی عمر میں ستر طواف روزانہ کیا کرتے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ 140 نوافل روزانہ پڑھتے تھے، جو کہ طواف کی وجہ سے واجب ہوتے ہیں۔ اب ایک سو چالیس نوافل پڑھنا کوئی آسان کام ہے؟ کئی دفعہ ہم ہمت کرنا بھی چاہیں تو دس، بیس رکعت سے زیادہ نہیں پڑھ سکتے۔ ہم نے کئی مرتبہ آزمایا کہ دس بیس رکعت پڑھتے ہیں تو ایسی تھکن ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد نماز میں ''سَمِعَ اللہ'' کے بجائے ''اوئی اللہ'' نکل رہا ہوتا ہے۔ اور وہ ستر سال کی عمر میں ستر طواف روزانہ کرتے تھے۔

ساتویں علامت

ذکر اللہ میں حریص ہونا

ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ایسا بندہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کا حریص ہوتا ہے۔ اس کا دل یہ تمنا کرتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی یاد میں بیٹھنے کا اور موقع مل جائے۔ چنانچہ وہ ذکر کا

حرج نہیں ہوتا ہے۔ جہاں وقت ملے اس وقت کو وہ اللہ کے ذکر میں گزار دیتا ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کا نام لینے میں مزہ آتا ہے۔ ؎

ہم رہیں گے اگرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

اس لیے نبی علیہ السلام نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تیری زبان ہمیشہ ذکر اللہ سے تر رہے۔ (ترمذی، حدیث نمبر: ۳۳۷۵)

یہ اللہ والا جہاں بیٹھتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی بات کرتا ہے۔ ؎

جہاں جاتے ہیں ہم تیرا فسانہ چھیڑ دیتے ہیں

جو بندہ کثرت سے ذکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص سے محبت فرماتے ہیں۔ اس لیے اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم اللہ رب العزت کے محبوب بن جائیں تو ہمیں ذکر کی کثرت کرنی پڑے گی۔ پندرہ منٹوں کے مراقبے سے انسان کے دل میں اللہ کی محبت نہیں آئے گی۔ آپ خود غور کریں کہ نرسری کلاس کا طالب علم ہو اور اس کو آپ روزانہ پندرہ منٹ پڑھائیں تو سال کے بعد وہ نرسری کا امتحان پاس نہیں کر سکتا۔ کہیں گے: جی پندرہ منٹ سے کیا بنتا ہے؟ دو چار گھنٹے تو پڑھانا ہی پڑے گا۔ اگر پندرہ منٹ کی تعلیم سے وہ نرسری کلاس میں پاس نہیں ہو سکتا تو یہ بندہ پندرہ منٹ کے مراقبے سے اللہ کی محبت کے امتحان میں کیسے پاس ہوگا؟ اس کے لیے تو گھنٹوں اللہ کا ذکر کرنا ہوگا، مراقبہ کرنا ہوگا۔ جب محبت آتی ہے تو پھر گھنٹوں کا پتہ بھی نہیں چلتا۔ یہ یاد رکھنا کہ شروع میں انسان اپنے آپ کو زبردستی مراقبے میں بٹھاتا ہے، پھر جب محبت کا رشتہ جڑ جاتا ہے تو پھر مراقبہ انسان کو پکڑ کر بٹھا دیا کرتا ہے۔ پھر اٹھنے کو دل نہیں چاہتا۔ انسان کو کوئی اٹھائے تو انسان کی طبیعت میں ناگواری ہوتی ہے کہ اس نے کیوں مجھے ڈسٹرب کیا؟

انسان کو پھر ایسے مزہ آتا ہے۔

آٹھویں علامت

غیر اللہ کے ذکر سے بیزاری ہونا

اللہ تعالیٰ کی محبت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ غیر اللہ کے ذکر سے بیزاری ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ مشائخ کی صحبت میں بیٹھ کر، اگر آپ دنیا کے تذکرے کریں گے تو ان کی طبیعت اس سے بیزار ہو جائے گی۔

کہتے ہیں کہ رابعہ بصریہ رحمہا اللہ کے پاس ایک نوجوان آیا اور اس نے آکر ان کے پاس دنیا کی مذمت بیان کرنی شروع کر دی۔ جب اس نے کچھ دیر دنیا کی مذمت بیان کی تو رابعہ رحمہا اللہ فرمانے لگیں کہ میرے پاس سے اٹھ کر چلا جا، مجھے لگتا ہے تجھے دنیا سے بہت محبت ہے۔ تو میرے سامنے دنیا کا تذکرہ ہی کیوں کر رہا ہے؟ تو ان کو دنیا کا تذکرہ ہی اچھا نہیں لگتا۔ دنیا کی مرغوب چیزوں سے وہ کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ ان کو سیر سپاٹے کی فکر نہیں ہوتی، نہ ان کو ان چیزوں سے لطف آتا ہے، ان کو تو اللہ کی یاد میں لطف آتا ہے۔ زیب النساء مخفی کے اشعار ہیں: ؎

مرغ دل را گلشن بہتر ز کوئے یار نیست

طالبِ دیدار را ذوقِ گل و گلزار نیست

"دل کے مرغ کے لیے یار کی گلی سے بہتر گلشن کوئی نہیں، اور جو طالبِ دیدار ہوتا ہے اسے گل و گلزار کے دیدار کا شوق نہیں ہوتا، اسے تو محبوب کے دیدار کا شوق ہوتا ہے۔"

نویں علامت

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا

ایک علامت یہ بھی ہے کہ ایسا بندہ اللہ کے راستے میں مال کو محبت سے خرچ کرتا ہے، دل کھول کر خرچ کرتا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ سے اس کو سکون نصیب ہوتا ہے۔

⊙ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کو ایک دفعہ سیدنا امیر معاویہؓ نے چالیس ہزار درہم بھیجے۔ یہ کافی بڑی رقم تھی، انہوں نے اپنی باندی سے کہا کہ مدینہ طیبہ کی بیوہ عورتوں کو بلاؤ تاکہ میں یتیموں اور بیواؤں میں اس مال کو تقسیم کر دوں۔ عورتیں آ گئیں، بچے آ گئے، وہ تقسیم کرنے لگیں، سارے کے سارے پیسے تقسیم کر دیے۔ باندی نے کہا کہ آج آپ کا روزہ ہے اور افطاری کے لیے گھر میں کوئی چیز بھی نہیں ہے، کچھ پیسے مجھے بھی دے دیتیں تاکہ میں افطاری کے لیے کچھ بنا لیتی۔ فرمانے لگیں: مجھے پہلے بتایا ہوتا، میرا تو اس طرف خیال بھی نہیں گیا۔ اس طرح اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ان کو مزہ آتا ہے۔

⊙ سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا تھا۔ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے اعلان فرمایا کہ اللہ کے راستے میں نکلنا ہے، اس کی تیاری کے لیے سب لوگ اپنا مال لے کر آئیں۔ حضرت عمرؓ بڑے خوش ہوئے، اس لیے کہ ان کے پاس ان دنوں کافی اچھا مال تھا۔ وہ کہنے لگے کہ ہر مرتبہ ابوبکر مجھ سے آگے نکل جاتے ہیں، آج میں ان سے آگے نکل کر دکھاؤں گا۔ وہ گھر چلے گئے اور اپنے گھر کا آدھا مال لے کر آئے اور نبی علیہ السلام کے قدموں میں ڈال دیا۔ لیکن جب صدیق
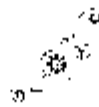
پھر حضرت عمرؓ آئے تو وہاں تو معاملہ ہی الگ تھا۔ اس کو علامہ اقبال نے بڑے پیارے انداز میں لکھا ہے:

ایک دن رسول پاک سے اصحاب نے کہا
دے مال راہ حق میں جو ہو تم میں مالدار
ارشاد سن کر فرط طرب سے عمر اٹھے
اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار
دل میں یہ کہہ رہے تھے صدیق سے ضرور
بڑھ کر رہے گا آج قدم میرا راہوار
لائے تھے مال رسول امیں کے پاس
ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار
پوچھا حضور سرور عالم نے اے عمر!
اے وہ کہ جوش حق سے تیرے دل کو ہے قرار
رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گزار
کی عرض نصف مال ہے فرزند زن کا حق
باقی جو ہے وہ ملت بیضا پہ ہے نثار

یہ حضرت عمرؓ کی بات تھی کہ آدھا مال گھر والوں کے لیے چھوڑا اور آدھا ملت بیضا پہ نثار کر دیا۔ آگے فرماتے ہیں:

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آ گیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار

لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت
ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار
بولے حضور چاہیے فکرِ عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار
اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے دل خوش ہونا، یہ بھی محبت الٰہی کی ایک نشانی ہوتی ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں بھی اپنی ایسی محبت عطا فرما دے۔

دسویں علامت

ذکر اللہ میں فنا ہونا

ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ایسا بندہ سلطانِ محبت کے سامنے سرنگوں ہوتا ہے، وہ اپنے محبوب کو بھلانے کی کوشش بھی کرے تو بھلا نہیں پاتا۔ محبت دل میں ایسی رچ بس جاتی ہے کہ بھلانا بھی چاہو بھلا نہ سکو گے۔ اس پہ کسی شاعر نے عجیب بات کہی: ؎

روز کہتا ہوں بھول جاؤں انہیں
روز یہ بات بھول جاتا ہوں

ایسی محبت دل میں آجاتی ہے کہ محبوب سے غفلت ممکن ہی نہیں رہتی۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں یہ بات لکھی ہے کہ جس بندے کو

فنائے قلبی نصیب ہو جاتی ہے، اس کو اگر ایک ہزار سال کی عمر دی جائے اور کہا جائے کہ ایک ہزار سال میں اللہ سے غافل ہو کر دکھاؤ تو وہ اللہ سے غافل نہیں ہو سکتا، ایسی اس کی کیفیت بن جاتی ہے۔

پھر اس کے بعد انہوں نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ پر فنائیت کا زمانہ لمبا ہو گیا۔ جب انسان فنا ہوتا ہے تو روح کے تو مزے ہوتے ہیں، مگر جسم پر تھکاوٹ ہوتی ہے۔ جسم مادی چیز ہے، اسے مادی چیزیں چاہییں۔ کھانے پینے اور راحت آرام سے اس کی تسلی ہوتی ہے۔ تو ان کے جسم پر تعب تھا، تھکاوٹ تھی، جب کئی مہینے ان کے ایسے گزرے تو وہ بھی چاہتے تھے کہ مجھے ذرا راحت مل جائے۔ اس زمانے میں نیند کی گولیاں تو تھیں نہیں کہ رات کو نیند کی گولی کھاؤ اور پھر دس گھنٹے مردے کی طرح پڑے رہو، ان کو تو نیند نہیں آتی تھی۔ وہ بہت دعائیں مانگتے تھے کہ اے اللہ! مجھے نیند عطا کر دیجیے، لیکن نیند نہیں آتی تھی۔ ایک دن انہوں نے یہ نیت کی کہ آج میں کچھ لوگوں کے ساتھ شکار کرنے کے لیے چلا جاؤں گا، شکار میں مصروف ہو جاؤں گا تو تھوڑی دیر کے لیے میری طبیعت ذکر سے ہٹ جائے گی اور میرے بدن کو راحت مل جائے گی۔ چنانچہ سارا دن وہ شکاری لوگوں کے ساتھ مل کر شکار کرتے رہے، مگر پھر بھی طبیعت میں ذکر کا غلبہ اسی طرح رہا۔ جب واپس آئے تو بدن پھر تھکا ہوا تھا، اب انہوں نے اللہ سے دعا مانگی۔ ایک دیوانے کی دعا سنیے:

"اللہ! اس شخص کے سب گناہوں کو معاف کر دیجیے جو مجھے ایک لمحے کے لیے تجھ سے غافل کر دے۔"

اب محبت اس معیار تک آ گئی تھی کہ بھلانا بھی چاہو بھلا نہیں سکو گے۔

گیارہویں علامت

اللہ تعالیٰ کا رفیق اعلیٰ بن جانا

ایک نشانی یہ بھی ہوتی ہے کہ جس کو اللہ سے محبت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس کا رفیق اعلیٰ بن جاتا ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ نے اپنے پردہ فرمانے سے تھوڑی دیر پہلے یہی فرمایا تھا: ''اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی'' (صحیح بخاری، حدیث: ۴۴۳۶)

مجنوں کی محبت میں سبق:

مجنوں کو لیلیٰ سے محبت تھی۔ وہ محبت میں اتنا پاگل تھا کہ اس کو محبت میں اور کوئی چیز دکھائی ہی نہیں دیتی تھی۔ ایک دفعہ مجنوں کے باپ نے کہا کہ تمہاری وجہ سے میری بڑی بدنامی ہوئی ہے تو بیت اللہ میں چل اور اس نفسانی محبت سے توبہ کر۔ اپنے باپ کے کہنے پر وہ چلا تو گیا اور وہاں جا کر بیت اللہ کا غلاف بھی پکڑ لیا اور غلاف پکڑ کر اس نے یہ دعا مانگی:

اِلٰھِیْ تُبْتُ مِنْ کُلِّ الْمَعَاصِیْ
وَ لٰکِنْ مِنْ حُبِّ لَیْلٰی لَا اَتُوْبُ

''اللہ! میں ہر گناہ سے توبہ کرتا ہوں، لیکن لیلیٰ کی محبت سے توبہ نہیں کرتا۔''

جب باپ نے یہ سنا تو مجنوں کی طرف غصے سے دیکھا۔ پھر مجنوں نے دوسرا شعر پڑھا:

اِلٰھِیْ! لَا تَسْلُبَنِّیْ حُبَّھَا اَبَدًا
وَ یَرْحَمُ اللّٰهُ عَبْدًا قَالَ اٰمِیْنًا

''اے اللہ! لیلیٰ کی محبت کو میرے دل سے کبھی نہ نکالنا اور جو میری اس دعا پہ

آجئیں گے، اس کے گناہوں کو معاف کر دیا جائے۔"

تو یہ محبت دل میں اس طرح رچ بس جاتی ہے کہ دل سے نکلتی ہی نہیں ہے۔ ایک کتاب میں لکھا ہے کہ کسی نے مجنوں کو اس کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا۔ اس نے پوچھا کہ مجنوں! تمہارے ساتھ اللہ نے کیا معاملہ کیا؟! تو مجنوں نے کہا کہ اگرچہ میرے گناہ بہت تھے لیکن اللہ کو میری محبت پسند آگئی اور اللہ نے میرے گناہوں کو معاف کر دیا اور فرمایا کہ میں اپنے محبین کے لیے تمہیں ایک معیار کے طور پر پیش کروں گا کہ دنیا میں اگر کوئی ایک عورت سے اتنی محبت کر سکتا ہے تو اسے میرے چاہنے والو! تم نے مجھ سے کیوں اتنی محبت نہ کی؟! اب ذرا غور کیجیے! یہ طالب کے لیے علمی نکتہ ہے:

انسان کو انسان کی محبت کے لیے پیدا نہیں کیا گیا مگر اس کے باوجود انسان سے محبت کرتے ہوئے وہ کئی مرتبہ بے ہمت بن جاتا ہے، اور سوچتا ہے کہ میں اب کیا کروں؟ میں تو بے بس ہو گیا ہوں، کوئی بس نہیں چلتا۔ تو جس محبت کے لیے ہم پیدا نہیں کیے گئے وہ محبت انسان کو بے بس کر سکتی ہے، تو جس محبت کے لیے اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے وہ محبت انسان کو کتنا بے بس کرتی ہوگی...!؟ اس کی کیا کیفیت دل میں ہوتی ہوگی...!؟ کاش کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس محبت کی لذت عطا فرمادے، پھر ہمیں پتہ چل جائے کہ اللہ والوں کی زندگی کیوں اللہ کی محبت میں تڑپتے ہوئے گزر رہی ہوتی ہے...!

واقعہ:

ایک مرتبہ ایک آدمی حرم شریف میں نماز پڑھ رہا تھا۔ ایک عورت اس کے آگے سے گزری، جب اس کے آگے سے گزری تو اس نماز پڑھنے والے کو بڑا غصہ آیا۔ اس

نے منہ پھیرا، اور اس عورت سے ناراضگی کا اظہار کرنے لگا کہ تم کیوں میرے آگے سے گزری؟ اس عورت نے کہا کہ دیکھو! میرے خاوند نے مجھے طلاق دے دی، اور میں اس طلاق کی وجہ سے اتنی پریشان ہوں کہ میں تمہارے آگے سے گزری تو مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ کوئی نماز پڑھ رہا ہے یا نہیں۔ میرا تو خاوند کی محبت میں یہ حال ہے، تم بتاؤ! تمہارے دل میں اللہ کی محبت کیسی ہے کہ تم نماز میں کھڑے ہو اور مجھے آگے سے گزرتے ہوئے دیکھ رہے ہو... تو تمہارے دل میں اللہ کی محبت کی وہ شدت نہیں جو ہونی چاہیے تھی۔

یہ وہ علامات ہیں جو بندے میں اللہ سے محبت ہونے کے بعد نظر آتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت کی نشانیاں

کچھ علامات ایسی ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ بندے سے محبت کرتے ہیں تو نظر آتی ہیں۔

① اللہ بندے کے کفیل بن جاتے ہیں:

پہلی علامت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بندے سے محبت کرتے ہیں اس کے کفیل بن جاتے ہیں۔ اس کی ساری ضروریات کو وہ خود پورا کرنے والے بن جاتے ہیں، اس کے کاموں کو سنوار دیتے ہیں۔ جیسے ماں ہوتی ہے تو بچے کو اپنی کوئی فکر نہیں کرنی پڑتی۔ ماں اس کے لیے کھانے کا انتظام، کپڑوں کا انتظام، پڑھنے کے لیے چیزوں کا انتظام، سارے انتظامات کر دیتی ہے اس لیے کہ وہ کفیل ہوتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جب بندے سے محبت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورتوں کو خود پورا کروا
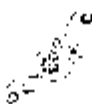
دیتے ہیں اور اس کا انتظام کر دیتے ہیں۔

② بندے کو تدبیر سکھا دیتے ہیں:

دوسری علامت: اللہ تعالیٰ بندے کو تدبیر سکھاتے ہیں، مشورے دیتے ہیں، یعنی اس کے دل میں موقع کے مناسب بات القا فرما دیتے ہیں۔ یہ بھی اس بات کی علامت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے سے محبت فرماتے ہیں۔

③ اعمال صالحہ میں مشغول کر دیتے ہیں:

اور تیسری علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کے دل میں دنیا کی بے وقعتی ڈال دیتے ہیں، یعنی بندے کے دل میں دنیا کی رغبت ہی باقی نہیں رہنے دیتے، اس بندے کے اوقات کو نیک کاموں میں مشغول کر دیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہوتا ہے کہ اس کو نیک کاموں میں مشغول کر دیتے ہیں، وہ دین کے کام میں، پڑھنے پڑھانے میں لگا ہوا ہے، ذکر کرنے میں لگا ہوا ہے، کہیں اللہ کے دین کی دعوت میں لگا ہوا ہے۔ اس کے اوقات ہر وقت دین کے کاموں میں مصروف نظر آئیں گے۔

④ لذت مناجات عطا کر دیتے ہیں:

پھر اللہ تعالیٰ اس بندے کو خلوت میں مناجات کی لذت عطا فرما دیتے ہیں۔ جب وہ بندہ جب تہجد میں اٹھتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی لذت نصیب ہوتی ہے۔

⑤ مصائب کے ذریعے معائب کا ازالہ فرما دیتے ہیں:

پھر اللہ تعالیٰ مصائب کے ذریعے اس کے معائب (عیوب) کو معاف فرما دیتے ہیں۔ ذرا غور کیجیے کہ اگر ماں اپنے بچے کو دیکھے کہ اس نے پاخانہ کر دیا ہے، ماں اس

بچے کو اس حال میں نہیں دیکھ سکتی، وہ اسے پانی کے ساتھ نہلائے گی، صاف ستھرا کرے گی، پھر اچھے کپڑے پہنا کر خوشبو لگائے گی اور اس کے بعد اسے سینے سے لگا کر پیار کرے گی۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ جس بندے سے محبت کرتے ہیں، وہ بندہ گناہ کا مرتکب ہو بیٹھے تو اللہ تعالیٰ کو اچھا نہیں لگتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بندے کو پاک کرتے ہیں لیکن وہ بندہ پانی سے پاک نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ دنیا میں اس بندے پر مصیبتیں بھیجتے ہیں، پریشانیاں بھیجتے ہیں، یہ مصائب اس بندے کو معائب (عیوب) سے پاک کرتے ہیں۔ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ اس بندے کے سارے گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ اس لیے حدیث پاک میں فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا ابْتَلَاهُ لِيَسْمَعَ صَوْتَهُ»

(شعب الایمان، حدیث ۹۳۳۱)

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو اسے امتحان میں ڈال دیتے ہیں تاکہ اس کی آواز (آہ و زاری) کو سنیں۔''

یہ امتحان اس کے لیے بلندی درجات کا ذریعہ بنتا ہے۔ ہماری زبان میں کسی نے کہا:

دکھ سکھاں توں دیواں وار
دکھاں آن ملایا یار

''میں دکھوں کو سکھوں پر قربان کر دوں، ان دکھوں نے مجھے میرے یار سے ملا دیا۔''

(۶) خوف سے امن عطا فرما دیتے ہیں:

پھر اللہ تعالیٰ ایسے بندے کے دل سے دنیا کا خوف نکال دیتے ہیں۔

﴿وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا﴾ (النور: ۵۵)

اللہ تعالیٰ اس کے خوف کو امن میں تبدیل فرما دیتے ہیں۔ دنیا کے حالات جیسے بھی ہوں، ایسے بندے کا دل ہمیشہ پرسکون ہوتا ہے، مطمئن ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ مخلوق کا خوف اس کے دل سے نکال دیا کرتے ہیں۔

ایک معرفت بھری حدیث:

بخاری شریف کی ایک روایت ہے، سالکین بھی دل کی توجہ سے اس کو سنیں! یہ حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

«وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا»

"میرا بندہ نفل عبادت کے ذریعے میرا قرب پاتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس بندے کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔"

«وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ»

(صحیح بخاری، حدیث ۶۵۰۲، باب التواضع)

"اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو میں اسے پناہ عطا کر دیتا ہوں۔"

حدیث پاک کے چند معارف

نکتہ نمبر ۱: کان آنکھ اور ہاتھ پاؤں کا تذکرہ کیوں کیا؟

ذرا اس حدیث مبارکہ کے معارف پر غور کیجیے! پہلی بات تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں تذکرہ کیا ہے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں کا، کہ میں کان بن جاتا ہوں، میں ہاتھ بن جاتا ہوں، پاؤں بن جاتا ہوں۔ اب ان چار چیزوں کا تذکرہ کیوں کیا؟

اس میں نکتہ یہ ہے کہ آنکھ اور کان انسان کے دل میں محبت لاتے ہیں اور ہاتھ اور پاؤں اس محبت پر عمل کیا کرتے ہیں۔ اس لیے جو محبت پیدا ہوتی ہے وہ کان اور آنکھ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ جب بندہ کسی کو دیکھتا ہے یا کسی کے حسن و جمال کے تذکرے سنتا ہے تو اس سے اس کے دل میں محبت آتی ہے۔ چنانچہ آنکھ اور کان کے ذریعے سے محبت آتی ہے۔ شریعت کی خوبصورتی دیکھیے! شریعت نے یہ دونوں دروازے بند کر دیے۔ فرمایا:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ (الاحزاب: ۳۲)

”اے نبی کی بیویو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ لہٰذا تم نزاکت کے ساتھ بات مت کیا کرو، کبھی کوئی ایسا شخص بے جا لالچ کرنے لگ جائے جس کے دل میں روگ ہوتا ہے، اور بات وہ کہو جو بھلائی والی ہو۔“

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے نبی کی بیویو! اگر غیر مرد سے بات کرنے کی

نوبت آجائے تو ایک تو پردے کے پیچھے سے گفتگو کرنا اور دوسرا یہ کہ تم اپنی آواز میں نرمی نہ آنے دینا (لوچ پیدا نہ ہونے دینا)، ایسا نہ ہو کہ دوسرا بندہ طمع کرے جس کے دل میں مرض ہو۔ شریعت نے کہا کہ جب عورت بات کرے تو صاف سیدھے لفظوں میں بات کرے، تاکہ بات کرنے والا دو باتوں کے بجائے ایک ہی بات پر گفتگو ختم کر دے۔ اس لیے کہ اگر نرم لہجے میں بات کریں گے تو بات سے بات بڑھتی ہے۔ شریعت نے اس راستے کو بند کر دیا کہ غیر محرم سے بات ہی نہ کرو۔ اور آج تو گھنٹوں باتیں ہوتی ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ شیئر نگ ہو رہی ہوتی ہے اور پھر کہتے ہیں کہ شیئرنگ، کیئرنگ ہوتی ہے۔ بھئی! جب لمبی باتیں ہوں گی تو معاملہ فون تک نہیں رہے گا، بلکہ معاملہ آگے بڑھ جائے گا۔

ایک تو بات سے بات بڑھتی ہے اور دوسرا انسان جب کسی کو دیکھتا ہے تو اس سے بات بڑھتی ہے۔ اور یہ نکتے کی بات ذہن میں رکھنا کہ معاملہ بات کرنے سے شروع ہوتا ہے، پھر دیکھنے کو دل کرتا ہے۔ اس کی دلیل قرآن پاک سے ملتی ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام علیہم السلام دنیا میں آئے، ان میں سے کسی نے اللہ سے یہ عرض نہیں کی کہ اے اللہ! میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں، صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات عرض کی۔ انہوں نے کہا:

﴿رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ﴾ (الاعراف: ۱۴۳)

''میرے پروردگار! مجھے دیدار کروا دیجیے کہ میں آپ کو دیکھوں۔''

کیوں کہا؟ اس لیے کہ

﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِیْمًا﴾ (النساء: ۱۶۴)

''اور موسیٰ سے تو براہِ راست اللہ ہم کلام ہوا۔''

جب گفتگو ہوتی ہے تو پھر بات سے بات بڑھتی ہے اور دیکھنے کو دل کرتا ہے۔ اس لیے نوجوان بچے اور نوجوان بچیاں اس بات کو نوٹ کریں کہ غیر محرم سے بات کی نوبت نہ آنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ ورنہ آ جائے تو ایک دو فقروں میں بات کو سمیٹنا چاہیے، لمبی بات کا کسی کو موقع دینا ہی نہیں چاہیے، آج بات ہوئی کل پھر ملاقات ہوئی۔ اللہ نے آنکھ اور کان کا تذکرہ پہلے کیا اور ان کے بعد ہاتھ اور پاؤں کا تذکرہ کیا، کیوں کہ جب محبت دل میں آ جاتی ہے تو ہاتھ اور پاؤں اس پہ جم جایا کرتے ہیں۔

نکتہ ۲: زبان کا تذکرہ کیوں نہ کیا؟

پھر یہاں ایک دوسرا نکتہ ہے: اللہ تعالیٰ نے زبان کا تذکرہ نہیں کیا کہ میں اس کی زبان بن جاتا ہوں، جس سے وہ بولتا ہے۔ کان کا تذکرہ کیا، آنکھ کا تذکرہ کیا، ہاتھ کا تذکرہ کیا اور پاؤں کا تذکرہ کیا، اس لیے کہ انسان زبان سے ایسی بھی بات کر لیتا ہے جو دل میں نہیں ہوتی۔ تو اللہ نے فرمایا کہ میں زبانی دعوؤں پہ یقین نہیں کرتا، مجھے تو حقیقت دیکھنی ہے، ہاتھ اور پاؤں تب میری محبت پہ جمیں گے جب دل میں محبت آئے گی، اس لیے زبان کا تذکرہ نہیں کیا۔ اللہ کی بارگاہ میں زبانی دعوے نہیں چلتے کہ عمل کریں تو کچھ نہیں اور اپنی زبان سے اللہ کے بڑے عاشق بنتے پھریں۔ نماز میں سستی...... تکبیر اولیٰ میں سستی۔ تہجد کی توفیق نہیں... اور دعوے کریں کہ ہم تو جی اللہ کے بڑے عاشق ہیں۔ ہم تو بڑا ذکر کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ میں تمہارے زبانی دعووں سے مطمئن نہیں ہوں گا، اس لیے یہاں زبان کا تذکرہ ہی نہیں فرمایا۔

علمی نکتہ ۳: مستجاب الدعوات بننے کی طرف اشارہ:

پھر ایک علمی نکتہ اس میں یہ ہے کہ جو بندہ ایسا بن جاتا ہے وہ مستجاب الدعوات

ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

«وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ»

''اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے میں اس کو عطا کرتا ہوں۔''

وہ ہاتھ اٹھاتا ہے، میں اس کے اٹھے ہاتھوں کو قبول کر لیتا ہوں۔ وہ مجھ سے پناہ مانگتا ہے، میں اسے پناہ عطا فرما دیتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ایسے محبوب بندے کو اگر مصائب و آلام عطا بھی کرتے ہیں تو وہ اس کے درجات کو بڑھانے کے لیے کرتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ بعض لوگ کہتے ہیں: جی ہم دین پر زیادہ آگے نہیں بڑھنا چاہتے، اس لیے کہ جو زیادہ آگے بڑھتے ہیں ان پر آزمائشیں شروع ہو جاتی ہیں۔ یہ تو انتہائی بیوقوفی کی بات ہے۔ اس لیے کہ اگر چھوٹی موٹی آزمائش سے اجر بہت زیادہ بڑھے تو اس آزمائش کے لیے تو خوشی سے تیار ہونا چاہیے۔ جن کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیے ہوئے غم و آلام سے بھی محبت کرتے ہیں۔ اس لیے کسی نے کہا: ؎

تیرے عشق نے مجھے غم دیا، میرے غم کی عمر دراز ہو
وہ مقام آئے خدا کرے، میرے عشق پہ تجھے ناز ہو

بندہ جب اللہ سے محبت کرتا ہے تو عشق میں ایسا مقام آتا ہے کہ اس کی محبت پر اللہ رب العزت کو ناز ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں میں تذکرہ فرماتے ہیں کہ دیکھو! میرا یہ بندہ نوجوان ایسا ہے کہ دل میں گھر کرنے والی خوبصورت بیوی پاس تھی، مگر میری محبت نے اس کو جگا دیا، یہ مصلے پر کھڑا تہجد پڑھ رہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس بندے کی محبت کا فرشتوں میں تذکرہ کرتے ہیں۔

دستورِ خداوندی...... جب کچھ لیتے ہیں تو بڑھا کر دیتے ہیں:

ایک نکتے کی بات اور بھی سمجھ لیجیے کہ اللہ تعالیٰ کسی سے کوئی چیز لیتے ہیں تو دستور یہ ہے کہ پھر اس کو ہمیشہ بہتر کر کے بڑھا کر اس بندے کو واپس فرماتے ہیں۔ دنیا داری کا مسئلہ نہیں ہے کہ جو چیز لی تو اتنی بھی نہیں دیتے جتنی لی تھی، بلکہ اس سے بھی کم دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر بندے کو آزماتے ہیں اور اس سے کچھ لیتے ہیں تو جب واپس کرتے ہیں تو پہلے سے بڑھا کر واپس کرتے ہیں۔ اس کے دلائل قرآن پاک سے ملتے ہیں۔

⊙......ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آزمایا، ان کو بیمار کیا، ان کے بیوی بچے بھی فوت ہو گئے، مال و دولت بھی چلا گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے آزمائش ختم فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَ ذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ (ص:۴۳)

''اور (اس طرح) ہم نے انہیں ان کے گھر والے بھی عطا کر دیے، اور ان کے ساتھ اتنے ہی اور بھی، تا کہ ان پر ہماری رحمت ہو، اور عقل والوں کے لیے ایک یادگار نصیحت۔''

ہم جب لیتے ہیں تو تھوڑا لیتے ہیں، لوٹاتے ہیں تو بہتر لوٹا دیتے ہیں۔

⊙......اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے بیٹے کی قربانی مانگی۔ جب اسمعیل علیہ السلام کی قربانی دی تو اسمعیل علیہ السلام قربان نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے مینڈھے کو قربان کروا کر اسمعیل علیہ السلام کو بچا دیا، مگر پھر اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں

کہ ہم نے اسماعیل کی قربانی کے بدلے کیا تھا:

﴿وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ﴾

(الانبیاء: ۷۲)

"اور ہم نے ان کو انعام کے طور پر اسحاق اور یعقوب عطا کیے۔ اور ان میں سے ہر ایک کو ہم نے نیک بنایا۔"

اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹے کی قربانی مانگی تھی اور دیکھو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ نے ان کو اسحٰق علیہ السلام اور یعقوب علیہ السلام عطا فرما دیے۔ تو یہ دستور یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ جب لیتے ہیں تو بہتر واپس کرتے ہیں۔

⊙ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جب جنت سے نکالا تھا اس وقت ان کی ساری اولاد ان کے صلب میں موجود تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو واپس جنت میں بھیجنے کا وعدہ فرمایا، اور جب جنت میں واپس پہنچائیں گے تو ان کی اولاد کو اللہ تعالیٰ دنیا میں تمدن کمال تک پہنچائیں گے، سب صلاحیتیں عطا فرمائیں گے، اور جب تمدن کمال کو پہنچ جائیں گے تو اب اس کامل حالت میں ان کو واپس جنت عطا فرمائیں گے۔ نکالا تھا تو اس وقت کمزور کیفیت تھی، جب واپس جنت عطا کی تو فرمایا کہ ہم تمہیں کامل کیفیت کے ساتھ جنت عطا فرمائیں گے۔ تو یہ دستور یاد رکھ لیجیے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے پیاروں کو آزماتے ہیں تو تھوڑی سی مشکل میں ڈالتے ہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کو آسانیاں عطا کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی محبت بندے پر فرض اور قرض ہے:

ایک بات یاد رکھیں! اللہ تعالیٰ کی محبت بندے کے اوپر فرض ہے اور اللہ کی محبت

بندے کے ذمہ پہ قرض ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے سے محبت فرماتے ہیں تو بندے کو بھی چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرے۔ اسی لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا:

«لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ» (صحیح بخاری، حدیث: ۱۵)

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اپنے والد اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔"

تو معلوم ہوا کہ ہم ایمان والے بن ہی نہیں سکتے جب تک اللہ تعالیٰ ہمیں ہر چیز سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں۔ تو یہ محبت ہمارے ذمہ پہ قرض ہے۔ وہ قرض اس لیے کہ جب اللہ محبت فرماتے ہیں تو پھر ہمیں اسے لوٹانا ہے۔

ازل سے اللہ والے:

ہمارے سلسلہ کے ایک بزرگ تھے خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کی ایک بات کتاب میں پڑھ کر مزہ آ گیا۔ کہتے ہیں: ایک مرتبہ مجھے خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا تو میں نے کہا کہ اے اللہ! میں نے زندگی کے ساٹھ سال آپ کی محبت میں گزار دیے۔ جب انہوں نے یہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: بندے! تو تو اپنے ساٹھ سال پیش کرتا ہے اور میں نے تجھے ازل سے اپنا بنا رکھا ہے۔ اللہ اکبر....!

ایک عمل میں محب کے لیے تین خوشیاں:

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی محبت بندے کے ساتھ زیادہ ہوتی ہے۔ ایک عمل میں اللہ تعالیٰ کی تین نعمتیں اکٹھی ہوتی ہیں:

پہلی: اللہ تعالیٰ اُس بندے کے دل میں اس عمل کا ارادہ پیدا فرما دیتے ہیں۔

دوسری: جب انسان عمل کرنے لگتا ہے تو عمل کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔

اور تیسری: جب بندہ عمل کر لیتا ہے تو اس عمل کو قبول فرما لیتے ہیں۔

مومن کی ایک عید نہیں ہوتی، بلکہ تین عیدیں ہوتی ہیں۔ ایک عمل کے بدلے مومن کو تین خوشیاں نصیب ہوتی ہیں۔

محبت کی مستحق فقط اللہ رب العزت کی ذات ہے، اس لیے اللہ رب العزت کی محبت میں شدت ہونی چاہیے۔ فرمایا:

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (البقرة:۱۶۵)

''اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔''

جو ایمان والے ہوتے ہیں ان کو اللہ سے شدید محبت ہوتی ہے۔ ایسی محبت جو بندے کو دنیا سے بیگانہ کر دے۔

خَیَالُكَ فِیْ عَیْنِیْ وَ ذِكْرُكَ فِیْ فَمِیْ

وَ مَثْوَاكَ فِیْ قَلْبِیْ فَاَیْنَ تَغِیْبُ

''اے محبوب! تیری تصویر میری آنکھوں میں ہے اور تیرا تذکرہ میری زبان پر ہے۔ اور تیری محبت میرے دل میں ہے، اب بھلا تو میری آنکھوں سے کیسے چھپ سکتا ہے؟''

تو جب دل و دماغ میں اللہ رب العزت کی محبت چھا جاتی ہے تو پھر انسان اللہ سے غافل نہیں ہو سکتا۔

یہاں پر طلباء کے لیے ایک علمی نکتے کی بات ہے کہ قرآن مجید سارے کا سارا داستانِ محبت ہے۔ ہوسکتا ہے کہ بعض طلبہ حیران ہوں گے کہ یہ کیسی بات کرتے ہیں؟ لیکن قرآن مجید کو ذرا اس اینگل سے، اس نظر سے بھی دیکھیں! ایک عاشق کی نظر سے بھی دیکھیں! آپ جب قرآن پاک پڑھیں گے تو آپ کو یہ ایک افسانۂ محبت نظر آئے گا۔

قرآن پاک کی دو ترتیبیں:

اب ذرا اس کو سمجھیے! اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو نازل فرمایا، جیسے جیسے اس کی ضرورت تھی، جیسے جیسے حالات پیش آتے تھے، اللہ تعالیٰ آیتیں اتار دیتے تھے۔ کہیں تیمم کی آیتیں، کہیں نماز فرض ہونے کی آیتیں، کہیں زکوۃ کی آیتیں، کہیں ہجرت کی آیتیں۔ قرآن کی اس ترتیب کو ”ترتیبِ نزولی“ کہتے ہیں۔

آج ہم جو قرآن پاک پڑھتے ہیں اس کی ترتیب کو ”ترتیب توقیفی“ کہتے ہیں۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کو بتا دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں جگہ پر رکھیں، فلاں جگہ پر رکھیں، تو نبی علیہ السلام اس آیت کو اس جگہ پر رکھتے تھے۔ آج ہم جو قرآن پاک پڑھتے ہیں تو یہ اس دوسری ترتیب پر ہے، پہلی ترتیب پر نہیں ہے۔ اب یہ عجیب بات ہے کہ نازل تو ہوا مختلف واقعات اور حالات کے ساتھ، لیکن جب اس کو ایک نئی ترتیب کے ساتھ رکھا تو اب قرآن پاک کی ایک اپنی ترتیب بن گئی۔ آپ قرآن پاک کو الحمد سے پڑھنا شروع کریں، آپ کو پورے قرآن پاک میں ایک ترتیب نظر آئے گی۔ بعض مفسرین نے تو آیتوں کی بھی آپس میں ایک ترتیب

بیان کی ہے۔ اس آیت کی ترتیب کیسے اور اس کی ترتیب کیسے؟ اور سورتوں کی بھی آپس میں ایک ترتیب لگی ہے۔

تو آیتیں نازل تو ہوئیں فرداً فرداً مختلف جگہوں پر، لیکن جب ترتیب کے ساتھ رکھا تو ایک نئی صورت بن گئی۔ یہی ترتیب ہے جو آج ہم پڑھتے ہیں اور اس ترتیب کا مزہ اٹھاتے ہیں۔

ترتیبِ توقیفی داستانِ محبت ہے:

یہ ترتیب توقیفی داستانِ محبت ہے۔ کہتے ہیں کہ مجنوں ایک دفعہ بیٹھا ہوا کچھ لکھ رہا تھا تو کسی شاعر نے اس پر شعر کہا: ؎

میں نے تو یونہی خاک میں پھیری تھیں انگلیاں
دیکھا جو غور سے تو تیری تصویر بن گئی

یہ محبت ہوتی ہے کہ بندہ انگلی پھیرتا ہے تصویر بن جاتی ہے۔ یہ اللہ کی محبت ہے کہ آیتیں مختلف مقامات میں نازل ہوئیں لیکن جب ان کو ترتیب سے رکھوایا گیا تو وہ ایک داستانِ محبت بن گئی۔

داستانِ محبت کی تفصیل

اب ذرا غور کیجیے کہ داستانِ محبت کیسی ہے؟

ابتدائے قرآن میں محبت کا اشارہ:

ہم قرآن پاک کا پہلا لفظ پڑھتے ہیں، وہ ہے الٓمٓ (الف لام میم)۔ اس کا ترجمہ اکثر طالب علم یہی سمجھتے ہیں کہ یہ حروفِ مقطعات ہیں اور ان کا علم نہیں دیا گیا۔ بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ لکھا بھی ہے تو انہوں نے کہا:

"الف" سے مراد اللہ

"لام" سے مراد جبرئیل علیہ السلام، جو واسطہ ہیں اللہ کا پیغام نبی علیہ السلام تک لانے میں۔

"میم" سے مراد محمد ﷺ ہیں۔

انہوں نے اس کے قطعاً اتنے ہی معارف لکھے ہیں، لیکن ہمارے مشائخ میں سے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ تعالیٰ نے حروف مقطعات کے علم کو کھولا۔ انہوں نے اسے کسی اور نظر سے دیکھا۔ انہوں نے اسے محبت کی نظر سے دیکھا تو بتایا کہ یہ حروف مقطعات اصل میں ایک محبت کا اشارہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے کیا۔ محبت جہاں ہوتی ہے وہاں آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہو جاتے ہیں، مختصر لفظوں میں اشارے ہو جاتے ہیں، پیغام پہنچ جاتا ہے۔ ؎

آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہو گئے
تم ہمارے ہم تمہارے ہو گئے

تو محبت میں اشارے چلتے ہیں۔ یہ حروف مقطعات اشارے ہیں۔ کیا اشارہ؟ فرمایا:

جو "الف" ہے یہ حقیقت احمدی ہے، اس میں نبی ﷺ کی طرف اشارہ ہے کہ نبی علیہ السلام اللہ کے محبوب تھے۔ انسانوں میں جو اللہ تعالیٰ سے محبت میں نمایاں مقام رکھنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے پہلے حرف میں ان کی طرف اشارہ کر دیا۔ یہ ہیں مجھ سے محبت کرنے والے، میرے محب بھی ہیں، میرے محبوب بھی ہیں۔

"لام" سے مراد خلت ہے۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہے، جو اللہ کے خلیل تھے۔

''هو'' سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، جو اللہ کے محب تھے۔

غور کریں کہ تینوں میں محبت کی نسبت موجود ہے۔

چنانچہ نبی علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کو محبت تھی، مگر یہ محبت ذاتی تھی۔ محبت کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں، ایک محبتِ ذاتی اور دوسری محبتِ صفاتی۔ اب کسی کو ذاتی طور پر محبت ہوتی ہے، جیسے ماں کو ہر بیٹے سے ذاتی محبت ہوتی ہے۔ اور اگر کسی بچے میں حسن ہو، علم ہو، باتیں اچھی ہوں تو وہ بچہ بھی ماں کا پیارا لگتا ہے، اس کو محبتِ صفاتی کہتے ہیں۔ تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی اللہ کے محبوب تھے، مگر ان میں محبت صفاتی تھی، اور نبی علیہ السلام سے محبت ذاتی تھی۔ اسی لیے نبی علیہ السلام کو اللہ نے محبوبیت کا مقام عطا فرمایا اور ابراہیم علیہ السلام کو خلّت کا مقام عطا فرمایا۔

ایک نکتہ اور بھی یہاں یاد رکھیے کہ اگرچہ ماں کو بیٹے سے محبت ہوتی ہے، بچے کو پتہ ہوتا ہے کہ امی مجھ سے محبت کرتی ہے، مگر اس کی طمع یہ ہوتی ہے کہ اب میرے اندر محبتِ صفاتی بھی آجائے، تاکہ میں کامل محبوب بن جاؤں۔ یہی نبی علیہ السلام کی بھی کیفیت تھی۔ محبت ذاتی حاصل تھی، لیکن نبی علیہ السلام چاہتے تھے کہ مجھے محبت صفاتی بھی مل جائے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے نماز میں جو درود شریف رکھا، وہ درودِ ابراہیمی رکھا۔

اس درود شریف کا مطلب یہ تھا کہ اے اللہ! تو نے مجھے محبت ذاتی تو عطا فرما دی، اب محبتِ صفاتی میں بھی کمال عطا فرما دیں۔ تو نبی علیہ السلام کو یہ دونوں مقام ملے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((اَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ)) (ترمذی حدیث:۳۶۱۶)

''میں اللہ کا حبیب ہوں اور مجھے اس پر فخر نہیں ہے۔''

اور دوسری جگہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

«وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا وَإِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِيلُ اللّٰهِ» (مسند احمد، حدیث: ۳۵۸۰)

"اور اگر میں دنیا میں کسی کو خلیل بناتا تو میں ابوبکر کو خلیل بناتا، اور تمہارا ساتھی تو اللہ کا خلیل ہے۔"

تو نبی علیہ السلام اللہ کے خلیل بھی تھے اور اللہ کے حبیب بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دونوں طرح کے کمال عطا فرمائے تھے۔ کمالِ ذاتی بھی عطا فرمایا تھا اور کمالِ صفاتی بھی عطا فرمایا تھا۔

پہلا حرف حقیقتِ احمدی کی طرف اشارہ ہے، جو محبتِ ذاتی کی طرف اشارہ ہے۔ اور جو "لام" ہے وہ محبتِ خلت یعنی محبتِ صفاتی کی طرف اشارہ ہے، اور "میم" عاشقی کی طرف اشارہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے محب تھے، عاشق تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے تین حرفوں میں بات سمیٹ دی کہ اے انسانو! تم میری کتاب پڑھ رہے ہو، تم نے اس کتاب سے میرا تعلق جاننا ہے، میں تین حرفوں میں بات سمیٹتا ہوں، میری محبت میں جو اعلیٰ مقام پانے والے تھے، وہ میرے اولوالعزم انبیاء میں سے بھی تین ہستیاں تھیں، جو نمایاں مقام پا گئیں:

ایک میرے محبوب، جو احمد تھے۔

ایک میرے خلیل، جو خلت کا مقام پا گئے۔

اور تیسرے موسیٰ علیہ السلام جن کو میرے ساتھ اتنی محبت تھی کہ مجھے دیکھنے کی آرزو کیا کرتے تھے۔

اللہ رب العزت نے پہلے ہی لفظ میں ان تین ہستیوں کے نام گن کر بتا دیئے کہ دیکھو! تمہارا ٹارگٹ یہ ہے، تمہارے لیے مثال یہ ہے، تمہارے لیے زندگی

کا Objective (منزل) یہ ہے۔

قرآن پاک میں محبتوں کا اظہار:

ان تین حروف میں اصل بات رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آگے قرآن پاک میں تفصیلی بات کی۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ مقرر جب بیان کرتا ہے تو شروع کی آیتوں میں اجمالی طور پر بات بیان کر دیتا ہے، پھر تقریر کرتا ہے، آخر میں آکر پھر نتیجہ نکالتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن پاک کے پہلے حرف سے محبتوں کا اشارہ فرما دیا اور اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں محبتوں کا اظہار فرمایا۔

محبت کی دعوت:

محبت کا جو اعلیٰ ترین مقام ہوتا ہے اس کو "عبادت" کہتے ہیں۔ محب کے دل میں معبود کی اتنی محبت ہو، اتنی محبت ہو کہ محب محبت میں بے اختیار ہو کر محبوب کے قدموں میں سر رکھ دے، اس کو عبادت کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ جگہ جگہ اپنے الٰہ ہونے کا تذکرہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ قرآن پاک میں فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ﴾ (البقرۃ: ۲۱)

"اے انسانو! اپنے رب کی عبادت کرو۔"

عبادت سے مراد یہ ہے کہ اپنے رب کی محبت کا وہ مقام پاؤ کہ محبت سے مغلوب ہو کر اپنے رب کے قدموں میں سر رکھنے والے بن جاؤ۔ تو جگہ جگہ اس محبت کے تذکرے فرمائے۔ اور فرمایا:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (محمد: ۱۹)

"لہٰذا (اے پیغمبر!) یقین جانو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔"

کہیں پر فرمایا:

﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ (البقرۃ: ۱۶۳)

”تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔“

یہ محبت کے تذکرے اللہ رب العزت کرتے رہے۔

محبت کرنے والوں کے تذکرے:

اور اسی طرح جو اللہ سے محبت کرنے والے تھے ان کے بھی تذکرے اللہ رب العزت فرماتے رہے۔

⊙ کہیں موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا کہ وہ مدین جا رہے ہیں، مدین سے آ رہے ہیں۔ یہ اپنے محب کے تذکرے تھے۔ بتا دیا:

﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا﴾ (الاعراف: ۱۴۳)

”اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے۔“

یہ وہ محبت کے تذکرے ہیں جو اللہ نے قرآن پاک میں بڑی تفصیل سے بیان فرمائے۔

⊙ کہیں ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے ہیں کہ کس طرح میرے ابراہیم نے چاند کی بھی نفی کی، سورج کی بھی نفی کی۔ اور پھر فرمایا:

﴿وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى﴾ (النجم: ۳۷)

”اور ابراہیم کے صحیفوں میں بھی، جو کامل وفادار ہے۔“

اس نے تو محبت میں انتہا کر دی۔

﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (النحل: ۱۲۰)

''بے شک ابراہیم ایسے پیشوا تھے جنہوں نے ہر طرف سے یکسو ہو کر اللہ کی فرمانبرداری اختیار کر لی تھی، اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔''

یعنی وہ میری محبت میں کسی کو شریک نہیں کرتا تھا۔

﴿شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ۚ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ (النحل: ۱۲۱)

''وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اس نے انہیں چن لیا تھا، اور ان کو سیدھے راستے تک پہنچا دیا تھا۔''

﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (النحل: ۱۲۳)

''پھر (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر بھی وحی کے ذریعے یہ حکم نازل کیا ہے کہ تم ابراہیم کے دین کی پیروی کرو جس نے اپنا رخ اللہ ہی کی طرف کیا ہوا تھا، اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔''

فرماتے ہیں کہ میرے محبوب! پھر ہم نے آپ کو وحی کی کہ یہ محبت کی بات مجھے بڑی اچھی لگتی ہے۔ جیسے ان کی ملت محبت والی تھی، جان بھی قربان کی، مال بھی قربان کیا، بیوی بچوں کو بھی چھوڑ دیا، اللہ کے نام پر بیٹا بھی قربان کر دیا، میں چاہتا ہوں کہ جو آپ کی پیروی کرنے والے ہیں، وہ بھی اسی ملت کی پیروی کریں، اسی طرح مجھ سے محبت کرنے والے بنیں، اسی لیے میں نے حج کو فرض کر دیا کہ اے امت محمدیہ! ہم چاہتے ہیں کہ تمہیں ملت ابراہیمیہ کے مزاج کا تعارف کروائیں۔ تم مکہ مکرمہ آ تو گئے تو کہیں:

..... منیٰ میں ابراہیم کی قربانی کی باتیں یاد کرو گے۔

..... جمرات کو کنکریاں مارو گے اور میرے ابراہیم کی محبت کو یاد کرو گے۔

..... بیت اللہ کو دیکھو گے اور ابراہیم کو یاد کرو گے کہ انہوں نے بیت اللہ کو بنایا تھا۔

..... کہیں صفا مروہ کی سعی کرو گے، مجھ سے محبت کرنے والی ایک بندی کو یاد کرو گے۔

اس سے تمہیں ملت ابراہیمی کے مزاج کا تعارف ہو جائے گا کہ تمہیں کیسے محبت کرنی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان انبیاء کے مختلف جگہوں پر تذکرے فرمائے۔

⊙ کہیں فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا﴾ (مریم: ۴۱)

''اور اس کتاب میں ابراہیم کا بھی تذکرہ کرو۔ بے شک وہ سچائی کے خوگر نبی تھے۔''

⊙ کہیں فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۬ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾ (مریم: ۵۱)

''اور اس کتاب میں موسیٰ کا بھی تذکرہ کرو۔ بے شک وہ اللہ کے چنے ہوئے بندے تھے، اور رسول اور نبی تھے۔''

⊙ کہیں فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ

رَسُوْلًا نَّبِيًّا﴾ (مریم: ۵۴)

''اور اس کتاب میں اسمٰعیل کا بھی تذکرہ کرو۔ بے شک وہ وعدہ کے سچے تھے اور رسول اور نبی تھے۔''

اللہ رب العزت اپنے چاہنے والوں کے تذکرے کتنی محبت سے کر رہے ہیں...!
اور پھر کہیں پر ابراہیم علیہ السلام کے نام سے سورۃ اتار دی اور کہیں پر نبی علیہ السلام کے نام پر سورۃ محمد اتار دی۔ یہ محبت کے تذکرے تھے اور محبت کی باتیں تھیں، جو چل رہی تھیں۔

ملاقات گاہوں کے تذکرے:

پھر اللہ تعالیٰ نے آخر میں آ کر ان محبوبوں کی جو ملاقات گاہ تھی اس کے بھی تذکرے کر دیے اور صرف تذکرہ نہیں کیا، محبت سے قسم کھا کر فرمایا:

﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ○ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ○ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ﴾

''قسم ہے انجیر اور زیتون کی، اور صحرائے سینا کے پہاڑ طور کی، اور اس امن وامان والے شہر کی۔''

دیکھیں! محب اور محبوب کی جہاں ملاقات ہوتی ہے وہ جگہ ہمیشہ یاد رہتی ہے۔ اللہ نے بھی قسم کھا کر ان جگہوں کے تذکرے کر دیے۔

..... یہ طور کا پہاڑ، میرے موسیٰ میری محبت میں ڈوب کر وہاں پہنچے تھے۔

..... یہ انجیر اور زیتون کی جگہ میرے ابراہیم کی تھی۔

...... اور یہ امن والا شہر تو میرے محبوب کا مقام ہے۔

اللہ تعالیٰ اس شہر کی قسم کھاتے ہیں جس میں نبی علیہ السلام رہتے تھے۔ فرمایا:

﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ○ وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ (البلد: ۱-۲)

''میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی، جبکہ (اے پیغمبر!) تم اس شہر میں مقیم ہو۔''

اے محبوب! آپ اس شہر میں رہتے ہیں، میں اس شہر کی قسم کھا رہا ہوں۔

کہیں نبی علیہ السلام کی عمر کی قسم کھاتے ہیں:

﴿لَعَمْرُكَ﴾ (الحجر: ۷۲)

''(اے پیغمبر!) تمہاری زندگی کی قسم!''

داستانِ محبت کا خلاصہ:

اللہ اکبر! یہ محبت کی داستانیں ذرا پڑھیے! پورا قرآن پاک یوں لگتا ہے جیسے بندے اور پروردگار کی محبت ہی کی داستان ہے۔ تو پہلے نفسِ محبت کی داستان شروع کی، اور اس کے بعد پورے قرآن پاک میں اس کا تذکرہ کیا، آخر میں آ کر قسمیں کھا کر ملاقات گاہوں کا تذکرہ کیا۔ تو قرآن کو جو عاشق پڑھتا ہے، اس کو یوں لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے سے محبت چاہتے ہیں کہ اے میرے بندے! تو میرا چاہنے والا بن جا، میرا ایسا عبادت گزار بن جا کہ تیرے دل میں کسی اور کے لیے کوئی جگہ نہ رہے۔ اس لیے فرمایا کہ بندے! میں تمہارے ہر گناہ کو معاف کر دوں گا، لیکن اگر میری محبت میں کسی کو شریک کرو گے تو میں تمہارے اس گناہ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ معلوم ہوا کہ مقصودِ قرآن محبت الٰہی ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ کر پیار کرنے والے بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی محبت عطا فرما دے۔

چند اشعارِ محبت:

کسی عارف نے فارسی زبان میں کچھ اشعار کہے ہیں، ذرا محبت والوں کی باتیں سن لیجیے کیسی ہوتی ہیں؟ فرماتے ہیں:
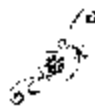
جانِ تن بُردی و در جانی ہنوز
درد ہا دادی و درمانی ہنوز

''اے محبوب! آپ نے میرے تن سے جان تو نکال دی اور خود جان بن کر میرے اندر آ گئے۔ آپ نے مجھے درد بھی عطا کیا اور میرے اس درد کی دوا بھی آپ خود بن گئے۔''

ایک تو درد محبت بھی عطا کر دیا اور اس درد کا علاج بھی آپ ہی بن گئے ہیں۔

عاشقاں را سینہ اے شد چاک چاک
ہم چناں در سینہ پنہانی ہنوز

''اے محبوب! آپ نے اپنی محبت سے میرے سینے کو چاک کر کے کھول کر رکھ دیا۔ اور پھر اس کھلے سینے میں آپ ہی چھپ کر بیٹھ گئے۔ میرے کھلے سینے میں چھپے ہوئے تو آپ ہی تھے۔''

ملک دل کردی خراب از تیغ ناز
و اندریں ویرانہ سلطانی ہنوز

''آپ نے ناز کی تلوار سے میرے دل کو ختم کر کے رکھ دیا (کاٹ کر رکھ دیا، میرے دل سے غیر کو نکال کر رکھ دیا)۔ اور اس ویرانہ میں اب بھی سلطانی آپ ہی کی ہے۔''

آگے ایک ایسا شعر کہتے ہیں جس کی قیمت ادا نہیں کی جا سکتی:

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ ای
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

''آپ نے اپنی قیمت دو عالم لگائی ہے، قیمت بڑھا دیجیے کہ یہ تو سستا

سودا ہے۔"

اے میرے محبوب اللہ! آپ نے اپنے وصل کی قیمت دو عالم بتائی ہے کہ دنیا اور آخرت کی تمام تمنائیں دل سے نکال دو۔ اللہ! قیمت بڑھا دیجیے کہ یہ سودا تو بڑا سستا کر رہے ہیں کہ آپ کا وصل حاصل کرنے کے لیے دنیا و آخرت کی تمنائیں دل سے نکال دیں۔ تو ہم ہر تمنا دل سے نکال دیں، تاکہ اس کے بدلے ہمیں اللہ کا وصل حاصل ہو جائے۔

اسی کو حضرت خواجہ مجذوب ﷫ نے فرمایا تھا: ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی
اب تو آجا اب تو خلوت ہو گئی

یہ خلوت تو پیدا کرنی پڑے گی، تاکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی جلوت نصیب ہو جائے۔ ان کا وصل ہمیں نصیب ہو جائے۔

حال تیرے دیوانوں کا:

اس لیے جو اللہ تعالیٰ کی محبت مانگنے والے ہوتے ہیں اور اس کے لیے مجاہدے کرتے ہیں، اللہ ان کے دلوں کو اپنی محبت سے لبریز فرما دیتے ہیں۔

○ صحابہ ﷡ میں سے ایک صحابی تھے سالم مولیٰ ابی حذیفہ ﷛۔ ان کو ابو حذیفہ ﷛ نے آزاد کر دیا تھا اور ان کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا تھا۔ اس پر قریش کے کچھ لوگوں نے احتجاج کیا کہ آپ نے عرب کی ایک آزاد با عزت عورت کا نکاح ایک آزاد کردہ غلام کے ساتھ کر دیا۔ اس پر ابو حذیفہ ﷛ نے جواب دیا تھا کہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح ایک ایسے بندے سے کیا ہے جو تم سے زیادہ بہتر ہے۔ عربوں کو اور زیادہ غصہ آیا کہ آزاد کردہ بندے کو تم کہتے ہو کہ یہ آزاد عرب عورت سے

زیادہ بہتر ہے۔ انہوں نے فرمایا: میں نے نبی علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے یہ سنا تھا کہ جو بندہ کسی ایسے شخص کو دیکھنا چاہے جو کامل دل کے ساتھ اللہ سے محبت کرتا ہے، وہ سالم کو دیکھ لے۔ سالم کا پورا دل اللہ کی محبت سے بھرا ہوا ہے۔

تو صحابہ کرام پورے دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے، اس دل میں کسی غیر کے لیے جگہ نہیں تھی۔ ہم بھی اپنے اللہ کے ساتھ پورے دل سے محبت کرنے والے بن جائیں۔ ہمارے اکابر بھی اپنے اللہ کے ساتھ ایسی ہی محبت کرتے تھے۔

○...... حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ایک عجیب بات لکھی ہے، انہوں نے ایک بات کہی اور وہ بات قسم اٹھا کر کہی۔ کسی بزرگ کا کوئی بات کہہ دینا ہی کافی ہوتا ہے لیکن قسم اٹھا کر کہنا، اس سے بات اور زیادہ اہم ہو جاتی ہے۔ مضبوط سے اضبط بن جاتی ہے۔ تو حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے قسم اٹھا کر کہا:

''اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے زندگی کے بہتر سال اس طرح گزارے کہ میرے دل میں تیرے سوا کوئی اور نہیں تھا۔''

اللہ کو گواہ بنا کر بات کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ہمارے اکابر کتنے پاکیزہ لوگ تھے...! وہ کس قدر اللہ کی محبت میں ڈوب کر زندگی گزارنے والے تھے کہ اللہ کو گواہ بنا کر بات کرتے تھے...! اللہ تعالیٰ ہمیں بھی زندگی کے کچھ ایام ایسے ہی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اللہ کے محبین سے منسلک لوگوں کو آگ نہیں جلاتی:

ایک مرتبہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت خواجہ امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ کو ملنے کے لیے تشریف لے گئے۔ چونکہ اس علاقے میں سردی بہت تھی، اس لیے رات کو آگ جل رہی تھی، اور امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ گرمائش کے حصول کے

لیے آگ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ خواجہ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ نوجوان تھے، آگ تاپنے کے لیے وہاں گئے تو انہوں نے ایک صدری (جیسے چمڑے کی بنی ہوئی جیکٹ ہوتی ہے) پہنی ہوئی تھی۔ یہ گئے تو شیخ نے فرمایا: بہاؤالدین! تم اس آگ کو بجھنے نہ دینا، اس میں لکڑی ڈالتے رہنا۔ یہ لکڑی ڈالتے رہے، ڈالتے رہے۔ جب بندہ سردی کے موسم میں بھی آگ کے قریب رہے تو گرمی لگنے سے پسینہ تو آتا ہی ہے۔ جب ان کو پسینہ آیا تو انہوں نے جیکٹ اتاری، وہ اتارتے ہوئے ہاتھ سے پھسلی اور آگ کے اندر گر گئی۔ اب یہ حیران ہو رہے ہیں کہ میری جیکٹ آگ کے اندر گر گئی۔ امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بہاؤالدین! جاؤ اور اپنی جیکٹ کو آگ میں سے نکال کر لاؤ۔ انہوں نے کہا کہ حضرت! اگر وہ لوہے کی بھی بنی ہوئی تھی تو اب تک وہ جل چکی ہوگی، اتنی زیادہ آگ ہے۔ امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نہیں تم جاؤ اور نکال کر لاؤ۔

جب شیخ کا حکم ہوا تو خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے آگ کے اندر قدم رکھا اور اندر گئے اور اپنی جیکٹ صحیح سلامت نکال کر لے آئے، اور خود بڑے حیران تھے کہ یہ کیا ہوا کہ میری جیکٹ کو آگ نے نہیں جلایا۔ شیخ کامل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بہاؤالدین! اس بات کو یاد رکھنا کہ جن لوگوں کے دل اللہ کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں ان کے جسم پر جو کپڑے ہوتے ہیں، دنیا کی آگ ان کپڑوں کو نہیں جلاتی۔ تو جو لوگ اللہ والوں کے دلوں میں بستے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو جہنم کی آگ سے بری فرما دیں تو کیا بعید ہے...؟

اس لیے جن کے دل اللہ کی محبت سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں، ان کے دل میں جگہ پا لینا یہ بڑی نعمت ہوتی ہے۔ ہم اپنے اکابر کے دلوں میں جگہ پا لیں، ان کے منظورِ نظر بن جائیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے دلوں میں جگہ عطا فرما دیں۔ حضرت

خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ملفوظ پڑھا اور ان کا ملفوظ پڑھ کر پورا دن اس کی یہ اثر رہتا رہا کہ ان بزرگوں کے دل کتنے بڑے ہیں... اور یہ اپنی مخلوق سے کتنے مخلص ہیں...! وہ ملفوظات بھی سن لیجیے! حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اگر کوئی مکھی ہمارے یا ہمارے احباب میں سے کسی کے جسم سے اڑ کر اور کسی دوسرے بندے کے جسم پر بیٹھی تو جب تک اللہ تعالیٰ اس بندے کو جہنم سے بری نہیں فرمادیں گے ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے۔"

یہاں احباب سے مراد سلسلے کے سالکین ہیں، جو بھی قیامت تک آنے والے ہیں۔ اگر ہم سے کمزور تعلق کا دوست فائدہ اٹھا رہے ہیں تو جو بندہ سلسلے میں بیعت ہوگا، مراقبے کرے گا اور تہجد پڑھے گا، اللہ کی محبت پانے کے لیے زندگی لگائے گا، پھر اس کی نعمتوں کا کیا اندازہ کریں گے...! یہ سچے لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان سچوں کے ساتھ محبت میں حشر فرمادے، اور اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنی سچی محبت نصیب فرمادے۔

حضرت خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار بڑے عجیب ہیں:

کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو
کس کام کا وہ گل ہے کہ جس گل میں بو نہ ہو
خلوت میں جا کے بیٹھے خلوت مگر کہاں
جب تک کہ جان و دل میں بسا تو ہی تو نہ ہو

انسان اگر خلوت میں بیٹھا ہو تو دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد بسی ہوئی ہو تو خلوت کے مزے آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اپنی محبت سے بھر دے۔

فخرالدین عراقیؒ کے عجیب اشعار:

فخرالدین عراقیؒ کے کچھ اشعار بہت عجیب ہیں، فرماتے ہیں:

سلمہ ربے قلندر سزد ار بمن نمائی

کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

''اے میرے رہبر! اے میرے آقا! اے میرے شیخ! میرے لیے تقویٰ اور پارسائی کے راستے سے اللہ تعالیٰ تک پہنچنا بہت مشکل کام نظر آتا ہے۔ لہٰذا کوئی ایسا قریب کا راستہ بتا دے کہ جس سے میں اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاؤں۔''

یعنی توجہات کے ذریعے مجھے اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیجیے، جذب کے راستے سے مجھے اللہ سے ملا دیجیے۔ سلوک کے راستے سے ملنا تو بڑا لمبا راستہ ہے۔

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم نہ دادن

کہ بروں چہ کار کردی کہ درون خانہ آئی

''میں جب طواف کعبہ کے لیے گیا تو مجھے انہوں نے حرم میں داخل نہ ہونے دیا کہ اے بندے! تو گھر سے باہر کیا کرتا رہا؟''

اب تو میرے گھر میں آ گیا ہے، باہر تو کیا کرتوت کرتا پھرا ہے؟ باہر تو نے کیا حرکتیں کی ہیں کہ اب تو میرے گھر میں داخل ہونا چاہتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں:

بزمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد

کہ مرا خراب کردی بسجدۂ ریائی

''جب میں نے زمین پر سجدہ کیا تو زمین سے آواز آئی: او دکھلاوے کا سجدہ

کرنے والے! تو نے مجھے بھی خراب کر ڈالا۔"

تو اگر ہم زبان سے اللہ کی محبت کے نعرے لگائیں اور ہمارے عمل اس کے خلاف ہوں تو پھر اللہ کی محبت میں ہم جھوٹے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی محبت میں سچا فرما دے اور ہمیں اپنا وصل عطا فرما دے۔

مجنوں سے متعلق سبق آموز اشعار:

چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مجنوں کے بارے میں کچھ اشعار لکھے ہیں، وہ بڑے عجیب ہیں، ذرا توجہ سے سنیے گا! فرماتے ہیں:

دید مجنوں را یکے صحرا نورد
در بیابانِ غمش بنشستہ فرد

"مجنوں کو کسی نے صحرا کے اندر دیکھا کہ وہ بیابانِ غمش کے اندر اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔"

ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم
می نمود اے بہرِ کس نامہ رقم

"ریت کو اس نے اپنے لیے کاغذ بنا لیا تھا اور اپنی انگلی کو اس نے قلم بنا لیا تھا۔ ایسے لگتا تھا کہ جیسے کسی کو وہ خط لکھ رہا ہے۔"

گفت اے مجنونِ شیدا چیست ایں
می نویسی بہر نامہ چیست ایں

"میں نے پوچھا: اے عاشق مجنون! یہ کیا ہے؟ تو کسے بیٹھا ہوا یہ خط لکھ رہا ہے؟"

گفت مشقِ نامِ لیلیٰ می کنم
خاطرِ خود را تسلی می دہم

''مجنوں نے جواب دیا کہ میں تو لیلیٰ کا نام لکھنے کی مشق کر رہا ہوں۔ میں لیلیٰ کا نام لکھ لکھ کر اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں۔''

میرے پاس کہاں فرصت ہے کہ میں کسی کو خط لکھوں؟ بس لیلیٰ کا نام لکھ رہا ہوں، نام لکھنے سے میرے دل کو تسلی ہو رہی ہے کہ مجھے اس سے محبت ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

عشق لیلیٰ عشق مولا کے کمد لیلیٰ بود
گوئی گشتن بہر او اولیٰ بود

اے اللہ کے چاہنے والے! کیا اللہ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے بھی گیا گزرا ہے؟ کہ مجنوں تو اپنے قلم سے لیلیٰ کا نام لکھ کر اپنے دل کو تسلی دیتا ہے اور تو مراقبے میں بیٹھ کر اللہ کو یاد کر کے اپنے دل کو تسلی نہیں دیتا۔ کاش! ہمارے دل میں بھی محبت آ جاتی اور ہمیں بھی مراقبے میں بیٹھنے سے دل کو تسلی مل جاتی، دل کو سکون مل جاتا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے معمولات میں لگے رہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہمیں بھی نصیب ہو جائے۔ ہمارا دل پورا کا پورا اللہ کی محبت سے بھر جائے۔

پنجرے میں پھڑ پھڑائے جا:

حضرت خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا عجیب بات کہی ہے!

تو ہو کسی بھی حال میں مولا سے دل لگائے جا
قدرتِ ذوالجلال میں کیا نہیں گڑ گڑائے جا
بیٹھ رہے گا یوں اگر، کام کے کیا رہیں گے پر
گو نہ نکل سکے اگر، پنجرے میں پھڑ پھڑائے جا

اگر تیرے لیے نکلنے کا راستہ نہیں ہے، اے پرندے! پنجرے کے اندر رہتے

ہوئے پھڑپھڑاتا ہے، تیرے مالک کو پتہ چل جائے گا کہ تو آزادی چاہتا ہے۔ اگر تو مخلوق کی محبت میں گرفتار ہے، تجھ سے نکل نہیں سکتا تو پھڑپھڑاتا ہے، تو رات کو اٹھ کر اللہ کے سامنے رو، اللہ کی عبادت کر، اللہ سے التجا کر، اللہ کے سامنے آنسو بہا، پھڑپھڑاتا ہے اور کہہ: یا اللہ! میں بھی گرفتار ہوں، مجھے نجات دے دیجئے، آزاد فرما دیجئے۔

فرماتے ہیں:

کھولیں وہ یا نہ کھولیں در، اس پہ ہو کیوں تیری نظر؟
تو تو بس اپنا کام کر، یعنی صدا لگائے جا

تو اپنا کام کر، اللہ کو یاد کیے جا، اللہ کے نام کو رٹے جا، تو کوئی دن آ جائے گا اور اللہ تعالیٰ تجھے بھی اغیار کی گرفتاری سے نجات عطا فرمائیں گے اور اپنا وصل عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی سچی محبت میں زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاَنْزِلْهُ
الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ

ہوئے پھڑ پھڑاتا جا، تیرے مالک کو پتہ چل جائے گا کہ تو آزادی چاہتا ہے۔ اگر تو مخلوق کی محبت میں گرفتار ہے، تو نہیں نکل سکتا تو پھڑ پھڑاتا جا، تو رات کو اٹھ کر اللہ کے سامنے رو، اللہ کی عبادت کر، اللہ سے التجا کر، اللہ کے سامنے آنسو بہا، پھڑ پھڑاتا جا اور کہتا جا: اللہ! میں بھی گرفتار ہوں، مجھے نجات دے دیجیے، آزاد فرما دیجیے۔

فرماتے ہیں:

کھولیں وہ یا نہ کھولیں در، اس پہ ہو کیوں تیری نظر؟

تو تو بس اپنا کام کر، یعنی صدا لگائے جا

تو اپنا کام کر، اللہ کو پکارے جا، اللہ کے دروازے پہ، اللہ کو ترس آ جائے گا اور اللہ تعالیٰ تجھے بھی اغیار کی گرفتاری سے نجات عطا فرمائیں گے اور اپنا وصال عطا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی سچی محبت میں زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝

(الاحزاب:۴۱)

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 21 مارچ 2014ء بروز جمعہ ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ

موقع: اعتکاف — اٹھارہواں سالانہ نقشبندی اجتماع

بمقام: جامع مسجد زینب معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

ذکرِ کثیر کی تاثیر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○
﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا○ وَّ سَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا﴾ (الاحزاب:۴۲)
وَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخَرَ:
﴿وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا﴾ (احزاب:۳۵)
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

مومنین کو کثرتِ ذکر کا حکم:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾
''اے ایمان والو!''

اے وہ لوگو! جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکموں کو ماننے کا اقرار کر چکے ہو، اس کے حکموں کو ماننے کا وعدہ کر چکے ہو۔

﴿اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا﴾

''اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرو۔''

اس آیت مبارکہ میں رب کریم اس بات کا حکم فرما رہے ہیں کہ سارے ایمان والے اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت کے ساتھ کریں۔

ذکرِ کثیر کی تفسیر:

اب کثرت کے ساتھ ذکر کرنے سے کیا مراد ہے؟ ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: ذکرِ کثیر... اس کی ہے یہ تفسیر... کہ

﴿اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾

(آل عمران: ۱۹۱)

''جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے (ہر حال) میں اللہ کو یاد کرتے ہیں۔''

ذکر کی تاثیر کے لیے ذکرِ کثیر ضروری ہے:

آج ہماری کوتاہی یہ ہے کہ ہم ذکر تو کرتے ہیں، مگر قلیل کرتے ہیں، کثیر نہیں کرتے۔ چند بار تسبیح پڑھ کر ہم تھک جاتے ہیں اور مراقبہ کرتے ہیں تو پانچ منٹ ...سات منٹ......دس منٹ...... منٹوں کا مراقبہ۔ بھئی! اگر کوئی پہلی جماعت کا طالب علم ہو اور وہ تین منٹ روزانہ پڑھے تو وہ پہلی جماعت میں پاس نہیں ہوتا، تو ہم چند منٹ مراقبہ کر کے سال کے بعد اس ذکر کے امتحان میں کیسے پاس ہو سکتے ہیں؟ جن بزرگوں نے ذکر کے اثرات کو اپنے اوپر پایا، انہوں نے ذکر میں خوب وقت لگایا، ٹکا کر ذکر کیا، ڈٹ کر ذکر کیا۔ لہٰذا ہم بھی اللہ تعالیٰ کی یاد کثرت کے ساتھ کریں۔

مثال ۱:

اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک آدمی کو بخار تھا، ڈاکٹر نے کہا کہ جی! آپ نے آٹھ دن دوائی کی دس گولیاں لینی ہیں اور تم نے پانچ دن صبح وشام کھانی ہیں۔ وہ گھر گیا، اس نے سوچا کہ صبح وشام کھانے کا کیا فائدہ، میں روزانہ ایک گولی کھا لیتا ہوں۔ وہ ایک گولی روزانہ کھاتا رہا، دس دن گزر گئے، بخار نہیں اترا۔ پھر ڈاکٹر کے پاس آیا، ڈاکٹر صاحب! بخار نہیں اترا۔ حالانکہ اس بندے نے بالکل صحیح دوائی استعمال کی تھی، لیکن اس نے مقدار میں کمی کی تھی۔ صبح وشام کھانی تھی، اس نے دن میں صرف ایک دفعہ گولی کھائی۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ مقدار پوری نہ ہونے کی وجہ سے اس کے وہ اثرات نہیں ہوئے جو ہونے چاہیے تھے۔

مثال ۲:

اس طرح جو دل کے مریض ہوتے ہیں، ڈاکٹر ان کو کہتے ہیں کہ آپ نے پانچ دن ٹیکے لگوانے ہیں اور ان میں کسی دن ناغہ نہیں کرنا۔ عجیب بات ہے کہ ایک دن ناغہ ہو جائے تو پھر وہ نئے سرے سے شروع کر دیتے ہیں۔ اگر جسمانی علاج میں ایک دن ناغہ ہو جائے تو پہلے کے اثرات ختم ہو جاتے ہیں تو روحانی امراض کے لیے بھی معمولات کی پابندی ضروری ہوتی ہے اور اس کی بھی مقدار کثرت کے ساتھ ہوگی تو فائدہ ہوگا۔

دل کو پاک کرنے کے دو طریقے:

اس کی مثال یہ سمجھیں کہ جیسے جسم کے اوپر مٹی لگی ہوئی ہے، اب اس کا علاج تو یہ ہے کہ پانی خوب بہایا جائے، تاکہ جسم پاک صاف ہو جائے۔ ایک آدمی پانی میں

ہاتھ گیلا کر لیتا ہے اور اپنے سارے جسم پر وہ مسح کر لیتا ہے تو کیا اس سے وہ مٹی تر جائے گی اور اس کے اوپر سے بدبو ختم ہو جائے گی؟ ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ اگرچہ وہ پانی استعمال کر رہا ہے مگر پانی کم استعمال کر رہا ہے۔ پانی بہانے کی ضرورت ہے، تب یہ مٹی دور ہوگی۔ اسی طرح اگر ہم چاہتے ہیں کہ دل کی میل دور ہو تو اتنا ذکر کرنا ہوگا، اتنا ذکر کرنا ہوگا کہ وہ ذکر کی وجہ سے آنے والی رحمت سے بہہ جائے، ختم ہو جائے۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب کوئی زمین ناپاک ہو جائے، اس کے پاک ہونے کے دو طریقے ہوتے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہوتا ہے کہ بارش اتنی برسے، اتنی برسے کہ اس گندگی کو بہا کر لے جائے اور گندگی کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ جب زمین خشک ہوگی تو پاک ہونے کا فتویٰ دیں گے کہ اب زمین پاک ہے، اگرچہ اس کے اوپر گندگی پڑی تھی لیکن اب اس کو پاک کہہ دیا جائے گا۔

اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سورج اتنا چمکے، اتنا چمکے کہ وہ جو نجاست ہے اس کو بالکل جلا کر رکھ دے اور اس کا نام و نشان ختم ہو جائے۔ اگر خشک زمین ہو اور اس کے اوپر کوئی بو نہ ہو اور کوئی رنگ نظر نہ آئے تو فقہاء کہتے ہیں کہ اس کے اوپر آدمی نماز پڑھ سکتا ہے، زمین پاک ہوتی ہے۔

تو جس طرح زمین کو پاک کرنے کے دو طریقے ہیں، اس دل کی زمین کو پاک کرنے کے بھی دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ انسان اللہ کا ذکر اتنی کثرت کے ساتھ کرے کہ نور کی رحمت جو برسے تو وہ دل کی ظلمت کو بہا کر لے جائے، پھر یہ دل پاک ہو جائے گا۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی اللہ والے کی صحبت میں انسان رہے، اللہ والوں کا دل اس سورج کی طرح ہوتا ہے جو شعاعیں پھینک رہا ہوتا ہے اور

ان کی شعاؤں سے انسان کے دل کی یہ گندگی ختم ہو جاتی ہے۔

آج دنیا جانتی ہے کہ اگر کسی بندے کو کینسر ہو تو شعاؤں کے ذریعے علاج کرتے ہیں، اگر جسمانی بیماریوں کا علاج شعاؤں کے ذریعے ممکن ہے تو روحانی بیماریوں کا علاج اس سے کیوں ممکن نہیں ہے؟ اللہ والوں کی صحبت خدمت کی بھی ہو اس کی اپنی برکات ہوتی ہیں۔ ان دو طریقوں سے انسان کے دل کی نجاست صاف ہوتی ہے اور اس کا دل صاف شفاف ہو جاتا ہے، دل منور ہو جاتا ہے۔

سالکین کی کوتاہی:

اکثر سالکین کو دیکھا کہ وہ اذکار کرتے تو ہیں، مگر کم کرتے ہیں، زیادہ ذکر نہیں کرتے اور اس کوتاہی کی وجہ سے پھر کئی کئی سال لگے رہتے ہیں، مگر مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ مقصود تو تب حاصل ہوگا کہ جب مقدار پوری ہوگی، اب پانچ منٹ کا مراقبہ بھی کیا، کبھی نہ کیا، پھر کہتے ہیں: او جی حضرت! تسبیحات تو ہو جاتی ہیں، لیکن مراقبہ نہیں ہوتا۔ بھئی! تسبیحات تو وٹامن کے مانند تھیں۔

جب آدمی بیمار ہوتا ہے تو ڈاکٹر اس کو دو طرح کی دوائی دیتا ہے، ایک تو اینٹی بائیوٹک دیتا ہے کہ جس سے اس کا بخار اترے اور دوسرا وٹامن وغیرہ دیتا ہے، تاکہ اس بندے کی کمزوری ختم ہو جائے، یا درد کی دوائی دیتا ہے کہ درد محسوس نہ ہو۔ اب ایک بندہ درد کی دوائی بھی کھالے، وٹامن بھی کھالے اور اینٹی بائیوٹک نہ کھائے تو اس کا تو بخار کبھی نہیں اتر سکتا۔ اسی طرح ہم اگر تسبیحات کرلیں گے، درود شریف کی ہوں یا استغفار کی اور مراقبہ نہیں کریں گے تو دل کی کیفیت نہیں سنورے گی۔ ان تسبیحات سے یقیناً ثواب ملتا ہے، درود شریف پڑھنا یا استغفار پڑھنا، بڑے عظیم اعمال ہیں، لیکن دل کی صفائی کا تعلق ذکر کے ساتھ ہے۔

ذکرِ کثیر دلوں کی پالش ہے:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةً وَإِنَّ صِقَالَةَ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللّٰهِ))

''ہر چیز کے لیے ایک پالش ہوتی ہے اور دلوں کی پالش اللہ کی یاد ہے۔'' (شعب الایمان، حدیث: ۹ ۵)

تو جب انسان اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرے گا، تب اس کا دل منور ہوگا، دل صاف ہوگا۔ اس کے لیے ہمیں ذکر کثیر کرنے کی ضرورت ہے، تب جا کر دل کی ظلمت دور ہوگی۔ ہم نے دیکھا ہے کہ اگر کسی لوہے کے ٹکڑے پر زنگ زیادہ لگا ہو تو پھر اس کے اوپر ریگ مار بھی خوب لگانا پڑتا ہے، ایک آدھ دفعہ ریگ مار لگانے سے وہ ٹھیک نہیں ہوتا۔ اسی طرح انسان کا دل بھی گناہوں کی وجہ سے سیاہ ہو جاتا ہے، زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (المطففین: ۱۴)

''ہرگز نہیں! بلکہ جو عمل یہ کرتے رہے ہیں، اس نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے۔''

تو گناہوں کی وجہ سے دلوں پر زنگ لگ جاتا ہے اور یہ زنگ اگر زیادہ ہو جائے تو اس کے لیے پھر محنت بھی زیادہ کرنی پڑتی ہے، ریگ مار بھی خوب لگانا پڑتا ہے۔ عورتیں اچھی طرح جانتی ہیں، جو برتن زیادہ میلا ہو وہ ایک دفعہ پانی میں دھونے سے صاف نہیں ہوتا، اس کو دو دو تین تین دفعہ دھونا پڑتا ہے، بلکہ اچھی طرح مانجھنا پڑتا ہے، تب جا کر برتن صاف ہوتا ہے۔ اسی طرح دل کے برتن کو بھی اگر ہم صاف کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں محنت کرنی پڑے گی۔

تن ہمہ داغ داغ شد

پنبہ کجا کجا نہم

''یہ تن تو سارا داغ ہی داغ بن گیا ہے، اس پر مرہم کہاں کہاں رکھیں!؟''

ویسے انسان سوچتا ہے کہ جی میرا دل تو بالکل ٹھیک ہے، لیکن جب اس کو صاف کرنے لگتا ہے، تب سمجھ آتی ہے کہ یہ تو مشکل کام ہے۔ ؎

مصحفی ہم تو یہ سمجھے تھے کہ ہوگا کوئی زخم

تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا!

یہ تو جب صفائی کریں گے تو پھر پتہ چلے گا کہ دل میں کتنے داغ لگے ہیں، اور کتنی جگہوں پر زخم لگے ہیں۔ اب ان کو صاف کرنے کی ضرورت ہے۔

سالکین کی روحانی ترقی میں بنیادی رکاوٹ:

ذکر کی کثرت نہ ہونا ہماری روحانی ترقی میں بنیادی رکاوٹ ہوتی ہے۔ یعنی اکثر سالکین میں جو کمی نظر آتی ہے کہ تعلق بھی رکھتے ہیں، عقائد بھی ٹھیک ہوتے ہیں، آتے جاتے بھی ہیں، مگر معمولات کی پابندی نہیں کرتے۔ اگر ذکر کرتے ہیں تو تھوڑا کرتے ہیں اور اس کوتاہی کی وجہ سے پھر دل صاف نہیں ہوتا۔ جو اللہ تعالیٰ کی محبت کی شمع دل میں جلنی ہوتی ہے، وہ نہیں جل پاتی۔ پھر کہتے ہیں کہ جی اتنے سال گزر گئے کچھ فائدہ نہ ہوا، اور بعض حضرات تو عجیب ہوتے ہیں، کہتے ہیں:

......حضرت! میں آیا ہوں، میں کئی مشائخ کے پاس گیا، لیکن پھر میں نے کہا کہ نہیں! میں آپ سے بیعت ہوتا ہوں (یعنی احسان بھی چڑھاتے ہیں کہ میں نے اوروں سے بیعت ہونے کے بجائے آپ سے بیعت کی)۔

..... پھر کہتے ہیں: حضرت! میں آپ کے پاس آیا ہوں، آپ کا دامن پکڑا ہے،

بس ہم سے تو پابندی ہوتا نہیں، آپ ہی نے کچھ کرنا ہے۔

... اور کئی لوگ آئیں گے اور کہیں گے: حضرت! میں کیا کروں؟ میں تو مجبور ہوں، مجھ سے تو کچھ نہیں ہوتا اور معمولات بھی نہیں ہوتے، بس آپ کوئی دعا کر دیجیے، کوئی توجہ کر دیجیے تاکہ میرا کام بن جائے (یعنی شروعات ہی نیت سے کر آتے ہیں کہ ہم نے تو کچھ نہیں کرنا، جو کرنا ہے آپ نے ہی کرنا ہے)۔

... اور بعض افراد آ کر کہتے ہیں: حضرت! بیوی بھی نافرمان ہے، اس کے لیے کوئی تعویذ دے دیں تاکہ وہ فرمانبردار ہو جائے اور ذکر و اذکار کے لیے فرصت نہیں ملتی، بس آپ ہی نے کچھ کرنا ہے، حضرت! کچھ توجہ کر دیجیے (یعنی شیخ کے ذمے کام لگاتے ہیں کہ آپ ہی کریں جو کرنا ہے)۔

... اور بعض افراد تو آتے ہیں، ملتے ہیں اور پہلے ہی کہہ دیتے ہیں کہ حضرت! ویسے مجھے جلدی واپس بھی جانا ہے، لیکن میں نے کہا کہ چلیں، مل کر آتا ہوں، تو اس لیے تو میرے پاس تھوڑا ٹائم ہے، بس آپ ہی کچھ کر دیں اور مجھے جلدی واپس جانا ہے۔

اب اگر محنت کرنے والوں کا یہ حال ہو کہ جلدی واپس جانا ہے تو بتائیں پھر دل کی صفائی کیسے ہوگی؟ اصل وجہ یہ ہے کہ ہم دل کی بیماریوں کو بیماری ہی نہیں سمجھتے۔ اس کے نقصان کا بھی ہمیں اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ کتنی بڑی اور مہلک بیماری ہے اور ہمیں اس سے نجات پا کر رہنا ہے۔ تو ذکر کی کثرت کریں گے تو دل منور ہوگا اور اللہ تعالیٰ اسے نرم کر دیں گے۔

کثرتِ ذکر سے ذاتِ حق کی محبت آتی ہے:

ذکر کے اندر یہ خوبی ہے کہ یہ انسان کے دل سے دنیا کی محبت کو نکال دیتا ہے، جتنا ذکر زیادہ کریں گے، اتنی ذات کی محبت زیادہ آئے گی۔ یہ اصول یاد رکھیں کہ ذکر

سے ذات کی محبت پیدا ہوتی ہے، آپ کسی چیز کا زیادہ ذکر شروع کردیں، آپ کے دل میں اس کی محبت آنا شروع ہو جائے گی۔ ابھی آپ بیٹھے ہیں آپ کے سامنے آئسکریم کا تذکرہ شروع کردیں، ونیلا فلیور ایسی ہوتی ہے، سٹابری ایسی ہوتی ہے، فلاں ایسی ہوتی ہے، تو تھوڑی دیر کے بعد بہت سارے نوجوانوں کا دل چاہے گا کہ ہم اس فلیور کی آئسکریم کھا ہی لیتے۔ تو تذکرے سے محبت آتی ہے۔ اسی لیے شریعت نے کہا کہ کوئی عورت اپنے میاں کے سامنے کسی غیر عورت کا تذکرہ مت کرے، کیونکہ تذکرہ کرنے سے دل کے اندر تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

اس لیے ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت کے ساتھ کریں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت آئے گی اور ہمارا دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھر جائے گا۔

ایک عجیب تمثیل:

چنانچہ حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب تمثیل لکھی ہے۔ ملکۂ بلقیس کے بارے میں قرآن پاک میں آیت ہے کہ اس نے اپنے امراء سے جب مشورہ کیا تھا کہ بھئی! سلیمان علیہ السلام کا خط آیا ہے تو اب میں اس کے جواب میں کیا کہوں؟ تو سب نے کہا کہ آپ جو قدم اٹھائیں گی، ہم آپ کے ساتھ ہوں گے۔ وہ سمجھدار تھی، اس نے کہا:

﴿قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ﴾ (النمل:۳۴)

"ملکہ بولی: حقیقت یہ ہے کہ بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں گھس آتے ہیں تو اسے خراب کر ڈالتے ہیں، اور اس کے باعزت باشندوں کو ذلیل کرکے

چھوڑتے ہیں، اور یہی کچھ یہ لوگ بھی کریں گے۔"

یہ تو اس آیت کے ظاہری معنی ہیں، لیکن حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک عجیب تمثیل ہے۔ اگر ہم بستی سے مراد دل کی بستی لے لیں اور ملوک سے مراد مالک الملک کا نام لے لیں تو ترجمہ پھر یوں بنے گا:

﴿إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً﴾

"جب اللہ تعالیٰ کا نام اس دل کی بستی میں داخل ہوتا ہے۔"

﴿أَفْسَدُوهَا﴾

"وہ انقلاب برپا کر دیتا ہے۔"

﴿وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً﴾

"اور دنیا جو دل میں معزز ہوتی ہے، اس کو ذلیل کر کے دل سے نکال دیا کرتا ہے۔"

دنیا کی ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے:

اللہ تعالیٰ کا نام انسان کے دل سے دنیا کی محبت کو مٹا دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت سے دل کو بھر دیتا ہے اور اگر آپ غور کریں تو ہماری زندگی کا مقصد بھی اللہ ہی کی یاد ہے۔ اللہ نے ہمیں عبادت کے لیے پیدا کیا تو عبادت کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔

ذکر سے یہ دنیا قائم ہے، اور دنیا کی ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے، جو بھی زندہ چیز ہے وہ ذکر کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ (بنی اسرائیل: ۴۴)

"کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو لیکن
تم لوگ ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔"
ہم نہیں سمجھ سکتے لیکن ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہوتی ہے۔

دل کے ذکر کا سائنسی مشاہدہ:

ہمیں ایک مرتبہ اس کا تجربہ بھی ہوا۔ امریکہ میں ایک نئی ریاست میں جانے کا موقع ملا، جہاں کوئی چند دوستوں نے ذکر یک ہی جگہ رہتے تھے۔ ان کے ہاں ایک ہفتہ قیام تھا۔ ان میں سے ایک شخص دل کے اسپیشلسٹ تھے۔ ہم انہی کے ہاں قیام پذیر تھے۔ وہ مجھے کہنے لگے کہ حضرت! آپ نے ہماری روحانی بیماریوں کا علاج تو ہمیں بتا دیا، اب میں آپ کو بھی ہاسپٹل لے جاؤں گا اور آپ کے دل کو چیک کروں گا۔ ہم نے کہا: جی ٹھیک ہے۔ ہمارے پاس وقت تھا، ہم ان کے ساتھ ہاسپٹل چلے گئے۔ انہوں نے ہمیں لا کر وہاں ایک کمرے میں۔ ایکو کارڈیو گرام مشین کے آگے لٹا دیا اور دل کو چیک کرنا شروع کیا۔ اس میں دل کی تصویر آجاتی ہے، اور دل کی رگوں میں کیسے خون جا رہا ہے اور آرہا ہے؟ اس کی پوری تفصیل اس کے اندر ہوتی ہے۔ جب انہوں نے سکرین پہ دکھایا تو مجھے کہنے لگے: دیکھیں! یہاں سے خون جا رہا ہے، یہاں سے خون آرہا ہے اور اتنی مقدار سے آرہا ہے اور اس وقت آپ کی شریانیں درست حالت میں ہیں اور سو فیصد کام کر رہی ہیں۔ اس عمر میں اسی فیصد بھی بہت اچھا رزلٹ تھا۔ کہنے لگے: آپ کے دل کی کیفیت سے میں بہت مطمئن ہوں۔

پھر اس کے بعد کہنے لگے: حضرت! میں آپ کو آپ کے دل کی آواز سناؤں؟ میں نے کہا: سنائیں۔ انہوں نے ایک بٹن دبایا، جیسے ہی بٹن آن کیا تو آواز آنے لگ گئی، جیسے دل خون کو پمپ کر رہا ہے۔ وہ کہنے لگے: ہماری میڈیکل کی کتابوں میں لکھا

ہے کہ دل جب خون کو پمپ کرتا ہے تو ''لب ڈب'' کی آواز آتی ہے، لب ڈب ..... لب ڈب..... اس کو ہم نے بھی سنا، لیکن قدرتاً میرا ذہن دوسری طرف گیا، میں نے کہا: ڈاکٹر صاحب! اصل وجہ یہ تھی کہ یہ کافر لوگ ہیں، یہ دل کی آواز کو سنتے ہیں تو ان کو لب ڈب..... لب ڈب..... نظر آتا ہے، آپ ذرا غور کریں! مجھے تو یہ کچھ اور آواز نظر آتی ہے۔ وہ غور سے مجھے دیکھنے لگے اور کہا: حضرت! کون سی آواز؟ میں نے کہا: یہ دل ''لب ڈب'' تو نہیں کر رہا، یہ تو ''رب رب'' کر رہا ہے۔ تو وہ کہنے لگا: اچھا اس کو دیکھتے ہیں: پھر انہوں نے غور سے اس کو دیکھا اور کہنے لگے: حضرت! ''رب رب'' کی آواز واقعی اس کے زیادہ قریب ہے۔ انہوں نے فیصلہ کر دیا کہ واقعی انسان کا دل جب خون کو پمپ کر رہا ہوتا ہے، وہ آواز ''رب رب'' کی پیدا ہو رہی ہوتی ہے۔ میں نے کہا: آج مسئلہ سمجھ میں آ گیا، اگر ہر ذی روح کا دل جو خون پمپ کرتا ہے، اس کی آواز ''رب رب'' پکار رہی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جتنے ذی روح دنیا کے اندر ہیں، سب کے جسم اللہ کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن مجید میں فرما دیا:

﴿وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ﴾ (بنی اسرائیل: ۴۴)

''اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو، لیکن تم لوگ ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔''

واقعی! بات ایسی ہی ہے کہ ہمارا جسم تو اللہ کا ذکر کر رہا ہوتا ہے۔ باقی ہم خود بھی اللہ کا ذکر کریں تو پھر مکمل جسم اللہ کا ذکر کرے گا، ورنہ آدھا تو کر ہی رہا ہوتا ہے اور باقی آدھا غافل ہوتا ہے۔ تو ہمیں اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرنا چاہیے، تا کہ اس

کے اثرات ہمارے دلوں پر مرتب ہوں۔

ذکر میں روحانی زندگی ہے:

یہ جو ذکر ہے، یہ انسان کے لیے روحانی جان کے مانند ہے۔

○ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

«مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُ رَبَّهُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ» (صحیح بخاری، حدیث [illegible] باب فضل ذکر اللہ)

”مثال اس شخص کی جو ذکر کرتا ہے اور اس کی جو ذکر نہیں کرتا، زندہ اور مردہ کی سی ہے۔“

یعنی ذکر کرنے والا انسان زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا شخص مردہ کے مانند ہے۔ یہ روحانی زندہ اور وہ روحانی مردہ ہے۔ دیکھیے! اللہ کے حبیب ﷺ نے چودہ سو سال پہلے بتا دیا تھا کہ ذکر کرنے والا انسان زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔

○ پھر نبی علیہ السلام نے ایک اور بہت پیاری مثال سے بات سمجھائی کہ جس طرح خزاں کے موسم میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں اور خشک ہو جاتے ہیں، اگر اس وقت درمیان میں ایک بالکل سرسبز درخت ہو تو وہ کتنا اچھا لگتا ہے... ایک حدیث میں ہے:

«ذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِينَ مِثْلُ الَّذِي يُقَاتِلُ عَنِ الْفَارِّينَ وَذَاكِرُ اللّٰهِ فِي الْغَافِلِينَ مِثْلُ الشَّجَرَةِ الْخَضْرَاءِ فِي وَسَطِ الشَّجَرِ الَّذِي قَدْ تَحَاتَّ وَرَقُهُ مِنَ الضَّرِيبِ»

”غافلین میں بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرنے والا ایسے ہے جیسے فرار ہونے والوں کی

جانب سے دشمن کے ساتھ لڑنے والا شخص ہوتا ہے۔ اور جیسے خزاں کے موسم میں بے برگ و بار درختوں کے درمیان سرسبز درخت ہوتا ہے، اس طرح غافل لوگوں کے درمیان بیٹھ کر ذکر کرنے والا انسان، اللہ کی نظر میں حسین اور اچھا معلوم ہوتا ہے۔'' (شعب الایمان، حدیث: ۵۶۱)

○ ..... ایک صحابی ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

((مَا صِيدَ صَيْدٌ. وَلَا عُضِّدَتْ عِضَاةٌ. وَلَا قُطِعَتْ وَشِيجَةٌ إِلَّا بِقِلَّةِ التَّسْبِيحِ)) (المطالب العالیہ لابن حجر، حدیث: ۳۳۰۵)

''کوئی شکار (پرندہ) شکار نہیں ہوتا اور کوئی ٹہنی نہیں ٹوٹتی مگر یہ کہ تسبیح کی قلت کی وجہ سے۔''

یعنی جب وہ تسبیح کم کرتے ہیں تو پھر شکار ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی شان دیکھیے کہ پرندے جب تک اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں، اس وقت تک کوئی ان کو شکار نہیں کر سکتا۔ جب ذکر میں کوتاہی ہوتی ہے، کمی ہوتی ہے تو اس وقت ان کو گویا موت دے دی جاتی ہے۔

○ ..... حضرت ابو الدرداء ؓ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

((مَا أُخِذَ طَائِرٌ. وَلَا حُوتٌ إِلَّا بِتَضْيِيعِ التَّسْبِيحِ))

''کوئی پرندہ نہیں پکڑا جاتا اور نہ کوئی مچھلی پکڑی جاتی ہے، مگر جب وہ تسبیح کو ضائع کرتے ہیں۔'' (درمنثور: ۹/ ۳۷۵)

○ ..... ایک اور حدیث پاک میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

﴿لَا يُصْطَادُ شَيْءٌ مِنَ الطَّيْرِ وَالْحِيتَانِ إِلَّا بِمَا يُضِيعُ مِنْ تَسْبِيحِ اللهِ﴾

''پرندے اور مچھلیاں اس وقت شکار کیے جاتے ہیں جب وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کو

کم کرتے ہیں۔" (درمنثور)

کائنات کا وجود ذکر الٰہی سے وابستہ ہے:

اسی لیے اس پوری کائنات میں جب تک اللہ رب العزت کا نام رہے گا، یہ کائنات اس وقت تک سلامت رہے گی اور جب یہ اللہ کے نام سے محروم ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ اس کائنات کو ختم کر دیں گے۔

چنانچہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

«لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَا يُقَالَ فِي الْأَرْضِ: اَللّٰهُ اَللّٰهُ»

(صحیح مسلم، حدیث ۱۴۸، باب ذہاب الایمان آخر الزمان)

"اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو سکتی، جب تک زمین میں کوئی ایک بندہ بھی "اللہ اللہ" کہنے والا ہوگا۔"

یہاں ایک نکتہ سمجھنے کی ضرورت ہے، کہ قیامت سے بڑی مصیبت اور کوئی نہیں، اتنی بڑی مصیبت اس وقت تک نہیں آ سکتی، جب تک کہ ایک بندہ بھی "اللہ اللہ" کہنے والا ہے۔

اور ایک روایت حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسرافیل علیہ السلام کو حکم دیا ہوا ہے کہ اگر تم دنیا میں کسی بندے کو سنو کہ وہ میرا نام لے رہا ہے تو سننے کے بعد صور کو پھونکنے میں چالیس سال کی تاخیر کر دینا۔ (تذکرۃ القرطبی)

ایک دفعہ اللہ کا نام لینا قیامت جیسی مصیبت کو چالیس سال کے لیے ٹال دیتا ہے، تو جو بندہ ہر وقت اللہ کا نام لے گا، اللہ اس سے دنیا کی مصیبتوں کو کیوں نہیں ٹالیں گے...؟

ذکر میں اطمینانِ قلب ہے:

آج ہم تعویذوں کے پیچھے بھاگتے ہیں اور عاملوں کے پیچھے بھاگتے ہیں، ہمیں اصل میں سمجھ نہیں آتی کہ کیا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہم اپنی زندگی شریعت کے مطابق بنائیں، اور ذکر اذکار کریں، اللہ تعالیٰ ہمیں پریشانیوں سے بچائیں گے۔ مغیر الاحوال اللہ رب العزت ہیں، وہ پھر حالات کو ٹھیک کر دیتے ہیں۔ جو شخص کثرت سے ذکر کرتا ہے، اللہ رب العزت دنیا کی پریشانیوں سے بھی اس کو محفوظ فرما لیتے ہیں اور اس کو دل کا سکون بھی عطا فرما دیتے ہیں۔ اس لیے فرمایا:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ﴾ (الرعد:۲۸)

''یاد رکھو کہ اللہ کا ذکر ہی ہے جس سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔''

ذکر اللہ..... تمام اعمال کا روح رواں

اور یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ شریعت کے جتنے اعمال ہیں، ان تمام اعمال کی روحِ رواں اللہ کی یاد ہے، اللہ کا ذکر ہے۔

نماز میں اللہ کا ذکر

اب دیکھیے کہ اعمال میں سب سے افضل عمل نماز ہے، شریعت نے نماز کے اندر نماز سے پہلے اور نماز کے بعد ذکر کا حکم فرمایا۔

○... اَلذِّكْرُ قَبْلَ الصَّلٰوةِ

''نماز سے قبل اللہ کے ذکر کا حکم ہے۔''

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ﴾ (الاعلیٰ: ۱۵)

"اور اپنے پروردگار کا نام لیا اور نماز پڑھی۔"

اس آیت سے پتہ چلا کہ نماز سے پہلے بھی اللہ کا ذکر کرنا ہے۔

○ اَلذِّكْرُ فِي الصَّلٰوةِ

"نماز کے دوران بھی اللہ کے ذکر کا حکم ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي﴾ (طٰہٰ: ۱۴)

"اور مجھے یاد رکھنے کے لیے نماز قائم کرو۔"

تو نماز میں بھی اللہ کا ذکر ہے۔

○ اَلذِّكْرُ بَعْدَ الصَّلٰوةِ

"اور نماز پڑھنے کے بعد بھی ذکر کا حکم ہے۔"

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ﴾

"پھر جب تم نماز پوری کر چکو تو اللہ کو (ہر حالت) میں یاد کرتے رہو، کھڑے بھی، بیٹھے بھی اور لیٹے بھی۔"

تو نماز سے پہلے بھی اللہ کا ذکر، نماز کے اندر بھی اللہ کا ذکر اور نماز کے بعد بھی اللہ کا ذکر ہے۔

○ نماز جمعہ میں ذکر:

نماز جمعہ کی اہمیت اور بھی زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ نے نماز جمعہ سے پہلے بھی ذکر کا

حکم فرمایا اور نماز جمعہ کے بعد بھی۔ پہلے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (الجمعہ:۹)

''اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لیے پکارا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف لپکو، اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم سمجھو۔''

پھر جب نماز جمعہ ادا کر لی جائے تو اس کے حوالے سے فرمایا:

﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَوٰةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (الجمعہ:۱۰)

''پھر جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ، اور اللہ کا فضل تلاش کرو، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔''

یعنی جمعہ سے پہلے بھی ذکر کا حکم اور جمعہ کے بعد بھی ذکر کا حکم دیا گیا۔

حج میں اللہ کا ذکر

اَلذِّکْرُ فِی الْحَجِّ

نماز کے بعد حج کے عمل کے بارے میں غور کیجیے! اب حج کا عمل کتنا مہتم بالشان عمل ہے کہ جو بندہ حج مبرور کر کے آتا ہے، وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اس دن پاک تھا جس دن اس کی والدہ نے اس کو جنم دیا تھا۔ تو اتنے بڑے عمل میں بھی ذکر کی تلقین کی گئی ہے۔ ذرا غور کیجیے!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ﴾ (البقرۃ:۲۰۳)

''اور اللہ کو گنتی کے (ان چند) دنوں میں (جب تم منیٰ میں مقیم ہو) یاد کرتے رہو''

ایک جگہ فرمایا:

﴿وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ○ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ (الحج:۲۷-۲۸)

''اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، کہ وہ تمہارے پاس پیدل آئیں اور دور دراز کے راستوں سے سفر کرنے والی ان اونٹنیوں پر سوار ہو کر آئیں جو (لمبے سفر سے) دبلی ہوئی ہوں، تاکہ وہ ان فوائد کو آنکھوں سے دیکھیں جو ان کے لیے رکھے گئے ہیں، اور متعین دنوں میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا کیے ہیں۔''

اور ایک حدیث پاک میں بھی ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا وَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا بِسُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ مُحِيَتْ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَكُتِبَتْ لَهُ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَرُفِعَ لَهُ بِهَا عَشْرُ دَرَجَاتٍ))

(سنن ابن ماجہ، حدیث: ۲۹۵۷، باب فضل الطواف)

''جو بندہ اس طرح طواف کرے کہ سات چکر لگائے اور اس میں وہ ''سبحان

اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر'' پڑھتا رہے، اس کے سوا کوئی کلام نہ کرے، اللہ تعالیٰ دس گناہوں کو مٹا دیتے ہیں، دس نیکیاں عطا فرما دیتے ہیں اور دس درجے بلند فرما دیتے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حج کے دوران بھی اللہ کا ذکر مقصود ہے۔

وقوفِ عرفات کے بعد ذکر:

پھر جب انسان حج کرے تو اس کے بعد بھی اللہ کا ذکر کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَإِذَآ أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾

(البقرۃ: ۱۹۸)

''تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم (حج کے دوران تجارت یا مزدوری کے ذریعے) اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو۔ پھر جب تم عرفات سے روانہ ہو تو مشعرِ حرام کے پاس (جو مزدلفہ میں واقع ہے) اللہ کا ذکر کرو، اور اس کا ذکر اسی طرح کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت کی ہے، جب کہ اس سے پہلے تم بالکل ناواقف تھے۔''

تو دیکھیں کہ وقوف عرفات کے بعد بھی ذکر کا حکم ہے۔

مناسکِ حج کے بعد ذکر:

جو مناسک حج ہیں ان کو ادا کرنے کے بعد بھی ذکر کا حکم ہے۔ فرمایا:

﴿فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ

ذِكْرًا (البقرة: ۲۰۰)

"پھر جب تم حج کے کام پورے کر چکو تو اللہ کا اس طرح ذکر کرو جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر کرو۔"

تو مناسک حج ادا کرنے کے بعد بھی ذکر ہے۔

قربانی کے وقت ذکر:

پھر جب حج کے دوران قربانی کرنی ہوتی ہے، اس وقت بھی ذکر کا حکم دیا۔ فرمایا:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰي مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَ بَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ (الحج: ۳۷)

"اللہ کو نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون، لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اس نے یہ جانور اسی طرح تمہارے تابع بنا دیئے ہیں تاکہ تم اس بات پر اللہ کی تکبیر کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی۔ جو لوگ خوش اسلوبی سے نیک عمل کرتے ہیں، انہیں خوشخبری سنا دو۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے پہلے بھی... نماز کے درمیان بھی... نماز کے بعد بھی... جمعہ سے پہلے بھی... جمعہ کے بعد بھی... حج سے پہلے بھی... حج کے دوران بھی... اور حج کے مناسک کے بعد بھی اللہ کا ذکر ہے۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جتنے اعمال ہیں، اصل میں ان کی روح رواں اللہ تعالیٰ کی یاد ہی ہے۔

روزے میں اللہ کا ذکر

مثلاً آپ غور کیجیے! ہم روزہ رکھتے ہیں۔ روزے میں بھی اللہ تعالیٰ کی یاد کا حکم ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، جو لوگوں کے لیے سراپا ہدایت، اور ایسی روشن نشانیوں کا حامل ہے جو صحیح راستہ دکھاتی اور حق و باطل کے درمیان دوٹوک فیصلہ کر دیتی ہیں لہذا تم میں سے جو شخص بھی یہ مہینہ پائے وہ اس میں ضرور روزہ رکھے۔ اور اگر کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے اور تمہارے لیے مشکل پیدا کرنا نہیں چاہتا، تاکہ تم (روزوں کی) گنتی پوری کر لو، اور اللہ نے جو تمہیں راہ دکھائی اس پر اللہ کی تکبیر کہو، اور تاکہ تم شکر گذار بنو۔''

دعوت کے کام میں ذکر

اب روزے کے بعد انسان دین کی دعوت کا کام کرتا ہے، اس میں بھی ابتدا سے لے کر انتہا تک ذکر اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

دعوت کی ابتدا میں ذکر:

چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی تو انہوں نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کی کہ یا اللہ! میرے بھائی کو بھی میرا معاون بنا دیجیے۔ اس وقت انہوں نے کہا:

﴿وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ○ هٰرُوْنَ اَخِي ○ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ○ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ○ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ○ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ○﴾

(طٰہٰ: ۲۹ تا ۳۴)

''اور میرے لیے میرے خاندان ہی سے ایک فرد کو مددگار مقرر کر دیجیے، یعنی ہارون کو جو میرے بھائی ہیں۔ ان کے ذریعے میری طاقت مضبوط کر دیجیے اور ان کو میرا شریک کار بنا دیجیے، تاکہ ہم کثرت سے آپ کی تسبیح کریں اور کثرت سے آپ کا ذکر کریں۔''

معلوم ہوا کہ انہوں نے جب نبوت کے لیے فریاد کی تو اس وقت انہوں نے یہی بات کی کہ اے اللہ! میرے بھائی ہارون کو میرے ساتھ کر دیجیے، تاکہ ہم آپ کا ذکر کثرت کے ساتھ کر سکیں۔

اب جب اللہ رب العزت نے ان کو نبوت سے سرفراز فرما دیا اور دونوں کو فرعون کے پاس بھیجنا تھا، اس وقت رب کریم نے دونوں کو ہدایات دیں۔ اب یہ ہدایات دینے والے رب کریم ہیں اور جن کو ہدایت دی جا رہی ہیں وہ نبی ہیں تو ہدایات بھی اہم ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ اس وقت فرماتے ہیں:

﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ﴾ (طٰہٰ: ۴۲)

''تم اور تمہارا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میرا ذکر کرنے میں

سستی نہ کرنا۔"

یعنی یہ اللہ کی یاد کی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء سے فرماتے ہیں کہ آپ نے دعوت کے کام میں میری یاد سے غافل نہیں ہونا۔

دعوت کی انتہا میں ذکر:

یہ تو ابتدا تھی کہ دعوت دینے جا رہے ہیں۔ دعوت کے کام کی ایک انتہا ہوتی ہے، وہ یہ کہ جب مخاطب بات نہ ماننے پر آمادہ ہو تو پھر اختتام یہ ہوتا ہے کہ مخالفین بھی اکٹھے ہو کر ہمارا مقابلہ کرتے ہیں۔ اگر ایسی صورتحال بن جائے تو اس وقت بھی ذکر کا حکم دیا۔ فرمایا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (الانفال: ۴۵)

"اے ایمان والو! جب تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو۔"

اب اگر یہ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا کے الفاظ نکال دیے جائیں تو بھی حکم مکمل بن جاتا لیکن اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ یہ سب اعمال میری یاد کے ساتھ ہونے چاہئیں۔

اللہ کی یاد کے بغیر عمل قبول نہیں:

تو معلوم ہوا کہ ہر عمل اللہ کی یاد کے ساتھ کرنے کا حکم ہے، اور اللہ کی یاد کے بغیر عمل قبول بھی نہیں کیا جاتا جیسے کہ نماز کے بارے میں فرمایا کہ جس نماز میں اللہ کی یاد نہیں ہوتی وہ نماز پھٹے پرانے کپڑے کی طرح نماز پڑھنے والے کے منہ پر دے ماری جاتی ہے کہ اس میں انسان غافل ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ شریعت کے جتنے اعمال ہیں، ان اعمال کا مرکز اور محور اللہ کی یاد ہے۔

ذکر اللہ کے فضائل

ی نے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی بہت زیادہ فضیلت ہے۔

تمام اعمال سے افضل عمل:

⊙ .. حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ اے اللہ کے حبیب! کون سا بندہ سب سے بہتر ہے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((طُوْبٰی لِمَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ))

''مبارک ہے وہ بندہ جس کی عمر طویل اور اس کے عمل اچھے ہوں۔''

یعنی اچھے عمل کے ساتھ طویل عمر پائے تو یہ خوش نصیب انسان ہے کہ جس کو لمبی عمر بھی ملی اور اس کے اعمال بھی اچھے تھے۔ پھر اس اعرابی نے ایک دوسرا سوال پوچھا:

((اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ))

''کون سا عمل افضل ہے؟''

فرمایا:

((اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْیَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ))

(مسند ابن الجعد، حدیث: ۳۴۲۱)

''تو دنیا سے اس حال میں جدا ہو کہ تیری زبان اللہ کی یاد سے تر ہو۔''

یعنی یہ عمل سب سے افضل عمل ہے کہ اس حال میں انسان کو موت آئے کہ اس کی زبان اللہ کے ذکر میں لگی ہوئی ہو۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر کرنا تمام اعمال میں افضل

عمل ہے۔

⊙ ... ایک اور حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

«لَوْ اَنَّ رَجُلًا فِي حِجْرِهٖ دَرَاهِمُ يَقْسِمُهَا وَ آخَرُ يَذْكُرُ اللّٰهَ»

''ایک بندہ ہے جس کی جھولی کے اندر بہت سارے دراہم ہیں اور وہ ان دراہم کو (اللہ کے راستے میں) خرچ کر رہا ہے اور دوسرا بندہ (جس کے پاس مال پیسہ نہیں) اور وہ بیٹھا ہوا اللہ کا ذکر کر رہا ہے۔''

«كَانَ الذَّاكِرُ اَفْضَلَ» (مجمع الزوائد، ج:۱۰، ص:۷۴)

''جو اللہ کا ذکر کر رہا ہے وہ اس صدقہ کرنے والے شخص سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔''

اب دیکھئے کہ ایک طرف مال اللہ کے راستے میں لٹا رہا ہے مگر پھر بھی ذکر کرنے والے شخص کو فرمایا کہ وہ زیادہ افضل ہے۔

⊙ ... ام انس رضی اللہ عنہا نبی علیہ السلام سے عرض کرتی ہیں:

«يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَوْصِنِيْ»

''اے اللہ کے حبیب! مجھے کچھ وصیت فرما دیجیے۔''

«قَالَ: اهْجُرِي الْمَعَاصِيَ فَاِنَّهَا اَفْضَلُ الْهِجْرَةِ»

''فرمایا: تو گناہوں کو چھوڑ دے، یہ سب سے افضل ہجرت ہے۔''

«وَحَافِظِيْ عَلَى الْفَرَائِضِ فَاِنَّهَا اَفْضَلُ الْجِهَادِ»

''اور فرضوں کے اوپر محافظت کر (فرض نمازوں کو ادا کر)، یہ افضل جہاد ہے۔''

«وَاَكْثِرِيْ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ فَاِنَّكِ لَا تَأْتِيْ اللّٰهَ بِشَيْءٍ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ كَثْرَةِ

ذِكْرِهِ" (المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث: ۲۳)

"اور اللہ کے ذکر کی کثرت کر، تو کوئی چیز اللہ کے پاس ایسی لے کر نہیں جا سکتی جو اللہ کو بہت محبوب ہو، سوائے اس کے کہ تو نے اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا ہو۔"

تو انسان کا یہ عمل ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ محبوب ہے، اللہ تعالیٰ اس بات کو بہت پسند فرماتے ہیں کہ میرا بندہ مجھے کثرت کے ساتھ یاد کرے۔

⊙ بی بی ام انس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

"وَاذْكُرِي اللّٰهَ كَثِيرًا فَإِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنْ تَلْقَيْهِ بِهِ" (مطالب العالیہ لابن حجر، حدیث: ۲۲۳)

"اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، اس لیے کہ یہ (ذکر اللہ) سب سے پسندیدہ عمل ہے جس کے ساتھ تو اللہ سے ملاقات کرے۔"

⊙ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام سے پوچھا گیا:

"أَيُّ الْعِبَادِ أَفْضَلُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"

"قیامت کے دن کس بندے کا درجہ اللہ کے ہاں بہت بلند ہوگا؟"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کتنے خوبصورت سوال پوچھا کرتے تھے...!

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

"الذَّاكِرُونَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتُ" (ترمذی، حدیث: ۳۳۷۶)

"وہ مرد اور عورتیں جو کثرت سے اللہ کو یاد کرتے ہوں گے۔"

اس سے اندازہ لگائیے کہ اللہ رب العزت کے ہاں کثرتِ ذکر کی کتنی اہمیت ہے...!
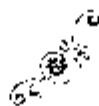
عذاب سے بچانے والا بہترین عمل:

ایک حدیث پاک میں نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((مَا عَمِلَ آدَمِیٌّ عَمَلًا أَنْجٰی لَہٗ مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ))

''آدمی کا کوئی عمل اس کو اللہ کے عذاب سے نجات دینے کے لیے ذکر سے بہتر نہیں ہے۔''

یعنی عذاب سے نجات دینے کے لیے ذکر سب سے بہتر ہے، بہ نسبت باقی اعمال کے۔

((قَالُوْا: وَلَا الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ؟))

''صحابہؓ نے سوال پوچھا: کیا اللہ کے راستے میں جہاد بھی عذاب سے اتنا نہیں بچاتا؟''

((قَالَ: وَلَا، إِلَّا أَنْ تَضْرِبَ بِسَیْفِكَ حَتّٰی یَنْقَطِعَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ))

''نبی علیہ السلام نے فرمایا: اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنا بھی اتنا عذاب سے نہیں بچاتا، حتی کہ اگر تم تلوار سے دوسرے بندے کی گردن بھی کاٹ دو تو بھی وہ عمل اتنا عذاب سے نجات دینے والا نہیں، جتنا اللہ کا ذکر عذاب سے نجات دینے والا ہے (یہ جملہ تین دفعہ فرمایا)۔(المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث:۳۵۲)

ذاکرین...... بلند مرتبہ لوگ:

⊙...... نبی علیہ السلام ایک دفعہ مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، تو ایک جگہ ایک پہاڑ تھا جس کا نام ''جمدان'' تھا، نبی علیہ السلام نے وہاں سے گزرتے ہوئے فرمایا:

جائیں گی، ان مہلکات سے بچاتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ))

''جس بندے کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا۔'' (ترمذی، حدیث:۱۹۹۹)

غور کیجیے! اگر کسی بندے کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا، وہ بندہ جنت میں داخل نہیں ہوسکتا تو اس بیماری کا علاج کرنا کتنا ضروری اور اہم ہے...! اور اس کا علاج پھر ذکر سے ہی ہوسکتا ہے کہ انسان ذکر کی کثرت کرے، تاکہ اس کے اندر سے عجب اور تکبر ختم ہو جائے اور غضب، غصہ اور بخل، یہ چیزیں ختم ہو جائیں۔ تو ذکر کے ذریعے انسان کے اندر سے مہلک بیماریاں ختم ہوتی ہیں۔

ذکر اور علم میں مناسبت

پھر عجیب بات ہے کہ ذکر میں اور علم میں اللہ رب العزت نے ایک مناسبت رکھی ہے۔ شاید اسی لیے حضرت مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ نے جو چھ نمبر بنائے، ان میں علم اور ذکر کو ایک ہی نمبر کے تحت رکھا۔ وجہ یہی تھی کہ ذکر اور علم میں بہت مناسبت ہے۔

علم و ذکر میراثِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں:

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک دفعہ وہ بازار آئے اور لوگوں سے کہنے لگے: لوگو! مسجد میں نبی علیہ السلام کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم یہاں بیٹھے ہو!؟ لوگوں نے دکانیں بند کیں اور مسجد میں آئے۔ دیکھا تو وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے اللہ کا ذکر کر رہے تھے اور قرآن پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا: ابوہریرہ! آپ نے تو کہا تھا کہ میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا! وہاں کیا ہو رہا تھا؟

((قَالُوْا: بَلٰی رَأَیْنَا قَوْمًا یُصَلُّوْنَ. وَقَوْمًا یَقْرَؤُوْنَ الْقُرْاٰنَ. وَقَوْمًا یَتَذَاکَرُوْنَ الْحَلَالَ وَالْحَرَامَ))

”کہنے لگے: ہاں! ہم نے کچھ لوگوں کو دیکھا وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ اور کچھ لوگوں کو تلاوت قرآن میں مشغول پایا۔ اور کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ حلال اور حرام کا مذاکرہ کر رہے تھے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((فَذَاكَ مِيرَاثُ مُحَمَّدٍ ﷺ)) (مجمع الزوائد: ۱۲۳)

”یہی تو رسول اللہ ﷺ کی میراث ہے۔“

یعنی نماز پڑھنا، تلاوت کرنا وغیرہ جو کہ ذکر میں شمار ہوتے ہیں، ان کو بھی نبی ﷺ کی میراث کہا گیا، اور علم تو نبی علیہ السلام کی میراث ہے ہی۔ اسی لیے علماء کو ”ورثۃ الانبیاء“ کہتے ہیں۔

دیکھیں! مناسبت موجود ہے۔ ذکر کو بھی میراث کہا گیا اور علم کو بھی میراث کہا گیا۔

علم و ذکر کی وجہ سے شقاوت سے حفاظت:

پھر حدیث پاک میں ہے کہ جو لوگ اللہ کے ذکر کی خاطر اکٹھے ہوتے ہیں تو ان کے اوپر اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتے ہیں، فرشتے اترتے ہیں اور ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ پھر فرشتے کہتے ہیں کہ اے اللہ! فلاں بندہ تو ذکر کے لیے نہیں آیا تھا، وہ تو کسی اور کام کے لیے آیا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

((هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقٰى بِهِمْ جَلِيْسُهُمْ)) (صحیح بخاری، حدیث: ۶۴۰۸)

"یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بندہ بھی بدبخت نہیں ہوسکتا۔"

اللہ اس کی بھی مغفرت فرما دیتے ہیں۔ تو جیسے یہ وعدہ ہے کہ ذکر کی مجلس میں لوگ بیٹھے ہوں تو ان کے پاس کوئی آئے گا تو وہ محروم نہیں رہے گا۔ ہوبہو حدیث پاک میں یہی بات علم کے بارے میں بھی ہے کہ اگر علم کی کوئی مجلس ہوگی اور کوئی بندہ آکر ان کے ساتھ بیٹھ جائے تو اللہ تعالیٰ جب سب کی مغفرت کا اعلان فرماتے ہیں تو فرشتے کہتے ہیں: یا اللہ! وہ بندہ تو اپنے کام سے جا رہا تھا، وہ علم سیکھنے والا نہیں تھا، اس نے تو لوگوں کو کچھ سیکھتے سکھاتے دیکھا تو وہ ویسے ہی کھڑا ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ان علم پڑھنے والوں کے بارے میں بھی فرماتے ہیں کہ یہ ایسی قوم ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوسکتا۔ تو جو خوشخبری ذکر کی مجلس کے لیے ہے، وہی خوشخبری علم کی مجلس کے لیے بھی ہے۔ تو اس سے بھی علم میں اور ذکر میں ایک مناسبت سامنے آتی ہے۔

ایک دفعہ نبی علیہ السلام مسجد میں تشریف لائے تو اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو جماعتیں تھیں، ایک ذکر کر رہی تھی اور ایک سیکھنے سکھانے میں مشغول تھی۔ تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ ذکر کی مجلس بھی اچھے اعمال والی مجلس ہے اور علم کی مجلس بھی اچھے اعمال والی مجلس ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے معلم بنا کر مبعوث فرمایا ہے، لہٰذا میں علم والی مجلس کے اندر بیٹھوں گا۔ (ابن ماجہ، حدیث:۲۲۹)

تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مجالس کی فضیلت کی تصدیق فرمائی۔

علم وذکر اندھیرے سے روشنی کی طرف لانے والے ہیں:

پھر دیکھیے! علم انسان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور اسی طرح اللہ کا ذکر بھی انسان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ○ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ○﴾

(الاحزاب: ۴۱۔۴۳)

''اے ایمان والو! اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو، اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو، وہ ہی ہے جو خود بھی تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تا کہ وہ تمہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آئے، اور وہ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔''

غور کریں! ذکر بھی روشنی سے نکال کر اندھیرے کی طرف لا رہا ہے اور علم بھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ (ابراھیم: ۱)

''(اے پیغمبر!) یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تم پر نازل کی ہے، تا کہ تم لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے آؤ۔''

تو علم بھی روشنی کی طرف لاتا ہے اور ذکر بھی روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم اور ذکر میں اللہ تعالیٰ نے بہت مناسبت رکھی ہے۔

علم و ذکر کے ذریعے لعنت سے حفاظت:

پھر جو اللہ کا ذکر کرنے والا ہے وہ لعنت سے بچ جاتا ہے۔ اسی طرح علم والے بھی لعنت سے بچ جاتے ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اَلدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ، مَلْعُونٌ مَا فِيهَا، إِلَّا ذِكْرُ اللهِ تَعَالَى وَمَا وَالَاهُ، وَعَالِمٌ، وَمُتَعَلِّمٌ)) (اخرجہ الترمذی، ج ۲، ص، حدیث: ۲۳۲۲)

"دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے ملعون ہے، مگر اللہ کا ذکر، اور وہ چیز (نیک اعمال) جو اللہ کو دنیا اور آخرت میں پسند ہے، اور عالم، اور طالب علم۔"

دیکھیے! اس حدیث میں معلم، متعلم اور ذکر کرنے والے لعنت سے بچ گئے اور باقی دنیا کی ہر چیز پر اللہ کی لعنت ہے۔ اس سے بھی ہمت زیادہ ہوگی۔

علم و ذکر سے غافل لوگوں سے اعراض کا حکم:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا﴾
(الکہف: ۲۸)

"اور کسی ایسے شخص کا کہنا مت مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے، اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اور جس کا معاملہ حد سے گزر چکا ہے۔"

دوسری جگہ فرمایا:

﴿فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ ذَلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَى ۝﴾ (النجم: ۲۹-۳۰)

"لہٰذا (اے پیغمبر!) تم ایسے آدمی کی فکر نہ کرو جس نے (ہدایت سے) منہ موڑ لیا ہے، اور دنیوی زندگی کے سوا وہ کچھ اور چاہتا ہی نہیں۔ ایسے لوگوں کے علم کی پہنچ بس یہیں تک ہے۔ تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس

کے راستے سے بھٹک چکا ہے، اور وہی خوب جانتا ہے کہ کون راہ پا گیا ہے۔"

علم و ذکر کی مجالس جنت کے باغات ہیں:

ایک اور مضمون ہے۔

مَجَالِسُ الْعِلْمِ رِيَاضُ الْجَنَّةِ وَكَذٰلِكَ مَجَالِسُ الذِّكْرِ

"علم کی مجالس کو جنت کے باغات کہا گیا اور یہی بات مجالس ذکر کے بارے میں بھی فرمائی گئی۔"

ایک حدیث پاک میں نبی ﷺ نے ذکر کے حلقوں کے بارے میں فرمایا:

«اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا»

"جب تم جنت کے باغوں میں سے گزرو تو چرا کرو۔"

صحابہ ؓ نے پوچھا کہ جنت کے باغ کون سے ہیں؟

فرمایا:

«حِلَقُ الذِّكْرِ» "ذکر کے حلقے۔" (ترمذی، حدیث: ۳۵۱۰)

تو اس حدیث پاک میں ذکر کے حلقوں کو جنت کے باغ کہا گیا۔ اور ایک دوسری روایت میں مجالس علم کو بھی جنت کا باغ کہا گیا ہے۔ (معجم طبرانی، حدیث: [illegible])

تو اس سے بھی علم و ذکر میں مناسبت سامنے آتی ہے۔

علم و ذکر کی مجالس پر فرشتے اور اللہ کی رحمت اترتی ہے:

حدیث پاک میں ہے:

«لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ»

"ذکر کرنے کے لیے لوگ جب بیٹھ جاتے ہیں تو ان کو اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور سکینہ ان پر نازل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔" (مسند ابی یعلی، حدیث:۱۲۵۲)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ جو لوگ علم پڑھنے پڑھانے کے لیے بیٹھتے ہیں، یا تکرار کے لیے بیٹھتے ہیں تو اللہ کی رحمت ان کو ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں۔ (المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث:۳۷۸۰)

تو دونوں میں یہ بات پائی جاتی ہے۔

علم وذکر لازم وملزوم ہیں:

اللہ کے نام کا ذکر اور قرآت، یہ دونوں لازم وملزوم ہیں۔

دیکھیے! قرآن مجید کی جو سب سے پہلی وحی اتری تو کون سی تھی؟

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾

"پڑھو اپنے پروردگار کا نام لے کر جس نے سب کچھ پیدا کیا۔"

ایک نکتہ اور سن لیجیے! ایک بندہ تو عالم ہے، لیکن ذاکر نہیں، تو اس سے سوال پوچھنے کا حکم نہیں ہے، بلکہ اگر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ذاکر بھی ہے تو پھر اس سے سوال پوچھنے کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا۔ فرمایا:

﴿فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (الانبیاء:۷)

"اگر تمہیں خود علم نہیں ہے تو نصیحت کا علم رکھنے والوں سے پوچھ لو۔"

حقیقی عالم تو وہی انسان ہے جو ذاکر بھی ہو۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

"عَجِبْتُ لِطَالِبِ عِلْمٍ لَا وِرْدَ لَهُ فِي اللَّيْلِ"

"مجھے ایسے طالب علم پر تعجب ہوتا ہے جو رات کو ورد نہیں کرتا۔"

یعنی جو رات کو اٹھ کر اوراد و وظائف مذاکرہ کرتا ہو مجھے اس طالب علم پر حیرت ہوتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے علم اور ذکر کے درمیان بہت زیادہ مناسبت رکھی ہے۔ اس لیے ہر ذاکر کو چاہیے کہ اگر زندگی کا وقت فارغ کر سکے تو علم حاصل کرے اور ہر عالم کو چاہیے کہ اگر وہ زندگی کے وقت میں کچھ وقت نکال سکے تو ذکر ضرور سیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ○ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ﴾ (الانشراح: ۷۔۸)

''لہٰذا جب تم فارغ ہو جاؤ تو (عبادت میں) اپنے آپ کو تھکاؤ، اور اپنے پروردگار ہی سے دل لگاؤ۔''

تو طلبہ کو بھی چاہیے کہ جب پڑھنے پڑھانے سے ان کو ٹائم ملے تو وہ ضرور اللہ کی یاد میں بیٹھا کریں اور اللہ کا ذکر کیا کریں۔

ذکر کی اہمیت سات وجہ سے

"جَاءَ الذِّكْرُ فِي الْقُرْآنِ عَلَىٰ سَبْعَةِ أَوْجُهٍ"

''قرآن میں ذکر کی اہمیت کی سات وجوہات بیان کی گئی ہیں۔''

①... اللہ تعالیٰ نے ذکر کا حکم فرمایا:

"اَلْاَمْرُ بِهٖ مُطْلَقًا وَمُقَيَّدًا"

''اللہ تعالیٰ نے ذکر کا حکم فرمایا مطلق بھی اور مقید بھی۔''

فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۙ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا﴾ (احزاب:۴۲)

اور دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ﴾ (اعراف:۲۰۵)

''ذکر کرا اپنے رب کا اپنے نفس میں۔''

مفسرین نے فرمایا کہ نفس میں ذکر کرنے سے مراد ہے کہ اپنے دل میں اللہ کو یاد کرو۔ تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم ہے۔

②...اللہ تعالیٰ نے غفلت سے منع فرمایا:

پھر دوسری وجہ:

''اَلنَّهْيُ عَنْ ضِدِّهٖ مِنَ الْغَفْلَةِ وَالنِّسْيَانِ''

''ذکر کی ضد یعنی غفلت اور نسیان سے منع فرمایا گیا۔''

فرمایا:

﴿وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾

''اور ان لوگوں میں شامل نہ ہو جانا جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔''

تو ایک طرف تو ذکر کی اہمیت بیان فرمائی اور دوسری طرف غافل ہونے سے منع فرما دیا۔

③...کثرتِ ذکر کے ساتھ فلاح وابستہ ہے:

پھر تیسری وجہ:

''تَعْلِيْقُ الْفَوَائِدِ بِاسْتِدَامَتِهٖ وَكَثْرَتِهٖ''

''پابندی سے اور کثرت سے ذکر کرنے کے ساتھ فلاح وابستہ ہے۔''

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (الجمعہ:۱۰)

''اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔''

تو فلاح کا تعلق اللہ کے ذکر کی کثرت کے ساتھ ہے۔ جتنا زیادہ ذکر کریں گے اتنا زیادہ اللہ ہمیں فلاح عطا فرمائیں گے۔

(۴)...بہترین اجر:

اور جو لوگ اللہ کا ذکر کثرت سے کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں بہترین اجر اور بدلہ عطا فرمائیں گے۔ فرمایا:

﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الاحزاب:۳۵)

''بے شک فرماں بردار مرد ہوں یا فرماں بردار عورتیں، مومن مرد ہوں یا مومن عورتیں، عبادت گزار مرد ہوں یا عبادت گزار عورتیں، سچے مرد ہوں یا سچی عورتیں، صابر مرد ہوں یا صابر عورتیں، دل سے جھکنے والے مرد ہوں یا دل سے جھکنے والی عورتیں، صدقہ کرنے والے مرد ہوں یا صدقہ کرنے والی عورتیں، روزہ دار مرد ہوں یا روزہ دار عورتیں، اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد ہوں یا حفاظت کرنے والی عورتیں، اور اللہ کا کثرت سے

ذکر کرنے والے مرد ہوں یا ذکر کرنے والی عورتیں، ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور شاندار اجر تیار کر رکھا ہے۔"

یہ دس صفات والے بندے ایسے ہیں کہ اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔ ان میں ذاکرین بھی شامل ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ ذکر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اجر بھی بہت عطا فرماتے ہیں۔

⑤...ذکر سے غفلت باعث خسارہ ہے:

اور جو انسان ذکر سے غافل ہو اس کے لیے خسارہ ہی خسارہ ہے۔ چنانچہ رب کریم فرماتے ہیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ﴾

(المنافقون: ۹)

"اے ایمان والو! تمہاری دولت اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں۔ اور جو لوگ ایسا کریں گے وہ بڑے گھاٹے کا سودا کرنے والے ہوں گے۔"

تو معلوم ہوا کہ جو انسان اللہ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے، وہ خسارے میں پڑنے والا ہوتا ہے۔

⑥...ذکر سب سے بڑا عمل ہے:

اور اللہ کا ذکر بہت بڑا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتے ہیں:

﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (العنکبوت: ۴۵)

"اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔"

چنانچہ مفسرین فرماتے ہیں:

ذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّاَفْضَلُ. (تفسیر منثی:۳:۲۰۸)

"اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے اور سب سے افضل (طاعت) ہے۔"

⑥...اعمال صالحہ کا اختتام ذکر پر ہوتا ہے:

جیسے نیک اعمال کی ابتدا ذکر سے ہوتی ہے اسی طرح ان کا اختتام بھی ذکر پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ حج کا اختتام ذکر پر کیا گیا ہے:

﴿فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا﴾ (البقرة:۲۰۰)

"پھر جب تم اپنے حج کے کام پورے کر چکو تو اللہ کا ذکر اس طرح کرو جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر کرو۔"

تو ان سات وجوہات کی وجہ سے ذکر کی اہمیت سامنے آتی ہے۔

سلوک نقشبندیہ میں تین طریقہ کا ذکر
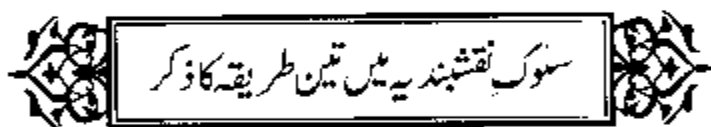
ہمارے سلسلے میں تین طرح کا ذکر ہوتا ہے:

پہلا طریقہ: اسم ذات کا ذکر

ایک ہوتا ہے "اللہ اللہ" کا ذکر کرنا، یعنی اللہ کے نام کا ذکر کرنا۔ قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى﴾ (الاعلیٰ:۱۵)

''اور اپنے پروردگار کا نام لیا اور نماز پڑھی۔''

اور اگر کوئی پوچھے کہ رب کے نام کا ذکر کیا ہے؟ تو ہم کیا جواب دیں گے......؟
''اللہ''۔ تو معلوم ہوا کہ ''اللہ'' کا ذکر کرنا ہے۔

''اللہ'' کے ذکر سے دل کو سکون ملتا ہے:

اللہ کے نام کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیے۔ یہ بھی محبت کا باب ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے، اس کا نام لینے میں مزہ آتا ہے، اس کا نام لینے سے دل کو سکون ملتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں: او جی! صرف ''اللہ اللہ'' کہنے سے کیا ہوتا ہے؟ بھئی! اللہ ''اللہ'' کہنے سے ہی تو دل کو سکون ملتا ہے، دل کو تسلی ملتی ہے۔

مجھے ایک ملک میں ایک صاحب ملے اور کہنے لگے: آپ ''اللہ اللہ'' کرتے رہتے ہیں، آپ کو اور کوئی کام نہیں؟ مجلس میں لوگ سن رہے تھے، میں نے کہا: خدا کے بندے! قیامت کے دن اللہ کے سامنے یہی گواہی دے دینا کہ یہ شخص ''اللہ اللہ'' ہی کرتا رہتا تھا، دنیا میں اس کو کوئی دوسرا کام ہی نہیں تھا۔ عجیب بات ہے کہ اس کو معمولی سمجھتے ہیں! ہر وقت ''اللہ اللہ'' کرنا کوئی معمولی بات ہے؟ ذرا کر کے دکھائیں! پتہ چلے......! یہ تو جس کے دل میں محبت ہوگی، وہ ہر وقت اللہ کا نام یاد کرے گا۔ اللہ کا نام رٹنے سے کیا ہو جاتا ہے؟ بھئی!

ہم رٹیں گے اگرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

اللہ کے نام کا جو عاشق ہوتا ہے، اسے تو اللہ کا نام لینے میں مزہ آتا ہے۔ ماں کو بیٹے سے محبت ہوتی ہے، وہ بیٹے کا نام کتنے پیار سے لیتی ہے اور بار بار لیتی ہے۔ تو کیا اللہ سے محبت ہو تو اللہ کا نام لینے سے انسان کے دل کو سکون نہیں ملتا؟

"اللہ اللہ" کے ذکر سے دل پر رنگ چڑھتا ہے:

دیکھیں! پانی کا ایک قطرہ اوپر سے گرتا ہے اور نیچے جس کا فرش ہوتا ہے، پتھر کی طرح ہوتا ہے، لیکن کچھ عرصہ کے بعد اگر آپ دیکھیں تو اس میں بھی سوراخ ہو جاتا ہے۔ جس طرح پانی کا قطرہ تواتر سے گرتا رہتا ہے تو وہ پتھر میں راستہ بنا لیتا ہے۔ بالکل اسی طرح اگر اللہ کے نام کی ضربیں تواتر کے ساتھ دل پر لگائی جائیں تو یہ دل میں بھی اپنا راستہ بنایا کرتا ہے۔ انسان کے دل میں راستہ بن جاتا ہے اور اللہ کا نام دل میں بس جایا کرتا ہے۔ اس لیے اللہ کا ذکر کثرت سے کرنا چاہیے تاکہ دل پر اس کا رنگ چڑھ جائے، اس کا اثر آ جائے۔

ہمارے سلوک کی ابتدا میں "اللہ اللہ" کا ذکر کرواتے ہیں۔ پہلے سات اسباق مراقبات کے ہیں، اس میں مختلف لطائف پر "اللہ اللہ" کا ذکر کیا جاتا ہے، پھر اس کے بعد تہلیل کے اسباق ہیں۔

دوسرا طریقہ: تہلیل کا ذکر

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا ذکر تہلیل کہلاتا ہے، اور یہ افضل الذکر ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

((اَفْضَلُ الذِّکْرِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ)) (ترمذی، حدیث: ۳۳۸۳)

اسے نفی و اثبات کا ذکر بھی کہتے ہیں۔ یہ نفی و اثبات کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ہمارے مشائخ کہتے ہیں کہ تین ہزار دفعہ، یا پانچ ہزار دفعہ، یا سات ہزار دفعہ انسان روزانہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی ضرب لگائے۔ اور اس سے کم کی حد تو ہے، اوپر کی حد کوئی نہیں ہے، جتنا مرضی لگائے۔ الحمد للہ! اس وقت بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو

اپنے معمولات بتاتے ہیں کہ ہم چالیس ہزار مرتبہ روزانہ تہلیل کا سبق کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہم میں سے ہیں، اسی ماحول میں ہیں، ان کے لیے بھی یہی مصروفیات ہیں، ان کے بھی یہی تقاضے ہیں مگر ان کے دل میں اللہ کی محبت ہے، جس کی وجہ سے وہ اللہ کی یاد کے لیے وقت نکال لیتے ہیں اور ہم محبت کی وہ حرارت محسوس نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں: کہ ہمارے پاس فرصت ہی نہیں ہے۔ ہمارے لیے تین ہزار دفعہ تہلیل کرنا مشکل ہوتا ہے۔

ذکر تہلیل دل کی صفائی کا اہم ذریعہ ہے:

یہ تہلیل کا ذکر ایسا ہے جیسے ایک آدمی کسی فرش کے اوپر جھاڑو دے دے تو گرد وغیرہ ساری صاف ہو جاتی ہے۔ یہ تہلیل کا ذکر بھی اسی طرح انسان کے دل سے ما سوا کے جتنے اثرات ہوتے ہیں، سب کو صاف کر دیتا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں اس کی تفصیل لکھی ہے، اور اس کے بعد شعر لکھا ہے:

عشق کی آتش کا جب شعلہ اٹھا
ماسوی معشوق سب کچھ جل گیا ہے

جب انسان کے دل میں عشق کی آگ کا شعلہ اٹھتا ہے تو معشوق کے سوا سب کچھ جل جاتا ہے۔ یعنی ''لا'' کی تلوار سے جو غیر حق تھا، اللہ کے سوا جو کچھ تھا، سب ختم ہو گیا۔

تیغ ''لا'' سے قتل غیر حق ہوا
دیکھیے پھر بعد اس کے کیا بچا
پھر بچا اللہ باقی سب فنا
مرحبا اے عشق! تجھ کو مرحبا

دل میں جب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی ضرب لگائی جاتی ہے تو دل صاف ہوتا ہے، اور ہوس کی نجاستیں دل سے نکل جاتی ہیں، ختم ہو جاتی ہیں۔ اس لیے پہلے اللہ کا ذکر کروایا جاتا ہے، اس کے بعد تجلیات آتی ہیں تاکہ انسان کو ہوس کی کامل نفی نصیب ہو جائے۔

ذکرِ تہلیل کے فضائل:

احادیث مبارکہ میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے ذکر کے بہت زیادہ فضائل آئے ہیں۔

⊙ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اَوْ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً، فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ» (صحیح مسلم، حدیث: [illegible])

"ایمان کے (ساٹھ یا) ستر سے زیادہ شعبے ہیں۔ ان میں سے افضل 'لا الٰہ الا اللہ' کا کہنا ہے، اور ادنیٰ درجہ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے، اور حیا ایمان کا حصہ ہے۔"

⊙ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ» (شعب الایمان، حدیث: [illegible])

"سب سے افضل ذکر 'لا الٰہ الا اللہ' کہنا ہے۔"

⊙ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا﴾ (الفتح: ۲۶)

"اور اللہ نے ان کو تقویٰ کے کلمے پر پکا رکھا اور وہ اس بات کے حق دار تھے اور اہل تھے۔"

مفسرین اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کَلِمَةَ التَّقْوٰی سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔

حضرت علی ازدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ منی و رمکہ کے درمیان جا رہا تھا کہ لوگوں نے یہ پڑھنا شروع کر دیا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ

جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا:

هِیَ هِیَ "یہی ہے، یہی ہے۔"

فَقُلْتُ: مَا هِیَ هِیَ؟

"میں نے پوچھا: اس سے کیا مراد ہے؟"

قَالَ: ﴿وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰی﴾ (درمنثور، ۱۳: ۵۰۸)

"فرمایا: اس سے مراد كَلِمَةَ التَّقْوٰی یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔"

⊙...... حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

«یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اَوْصِنِیْ»

"اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی وصیت فرما دیجیے۔"

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا عَمِلْتَ سَيِّئَةً فَأَتْبِعْهَا حَسَنَةً تَمْحُهَا»

"جب تم کوئی برائی کر بیٹھو اس کے بعد پھر نیکی کرو، تاکہ نیکی اس برائی کو دھو دے۔"

«قَالَ: قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَمِنَ الْحَسَنَاتِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ»

عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ بھی نیکیوں میں سے ہے؟"

«قَالَ: هِیَ أَفْضَلُ الْحَسَنَاتِ» (مسند احمد، حدیث: ۲۱۳۸۷)

''فرمایا: یہ تو سب سے بہترین نیکی ہے۔''

⦿ قرآن مجید میں ہے:

﴿لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ﴾ (الرعد: ۱۴)

''وہی ہے جس سے دعا کرنا برحق ہے۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔

(تفسیر بغوی: ۳۰۵/۱)

⦿ ......حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴾

(الاحزاب: ۷۰)

میں ''قول سدید'' سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مراد ہے۔ (تفسیر بغوی: ۶/ ۳۷۵)

⦿ ......اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ (الاعلیٰ: ۱۴)

اس میں مَنْ تَزَكّٰى سے مراد ہے: مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (درمنثور: ۱۵/ ۳۶۹)

⦿ ......قرآن مجید کی ایک اور آیت ہے:

﴿وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ﴾ (حٰم السجدۃ: ۷)

''اور بڑی تباہی ہے ان مشرکوں کے لیے جو زکوۃ ادا نہیں کرتے، اور ان کا حال یہ ہے کہ آخرت کے وہ بالکل ہی منکر ہیں۔''

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں: لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ سے مراد ہے: اَلَّذِيْنَ لَا يَقُوْلُوْنَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (تفسیر طبری: ۲۱/ ۴۳۰)

⊙ ......اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون سے کہا تھا:

﴿هَلْ لَكَ إِلَىٰٓ أَنْ تَزَكَّىٰ﴾ (النازعات:۱۸)

ان کی مراد اس سے یہ تھی: هَلْ لَكَ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

یعنی کیا تو "لا الٰہ الا اللہ" کی گواہی دیتا ہے؟ (تفسیر قرطبی:۱۹/ ۲۰۲)

⊙ ......اور قرآن مجید کی آیت ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا﴾ (حم السجدة:۳۰)

"جن لوگوں نے کہا ہے کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے۔"

مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد ہے: عَلَىٰ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ.

یعنی جو لا الٰہ الا اللہ کی شہادت پر پکے ہو گئے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۷/ ۱۷۷)

⊙ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾ (النبأ:۳۸)

یہاں "صَوَابًا" سے مراد ہے: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ. (تفسیر بغوی: ۸/ ۳۰۸)

⊙ ......چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا:

﴿أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ﴾ (ہود:۷۸)

"کیا تم میں کوئی ایک بھی بھلا آدمی نہیں ہے؟"

اس کا مطلب ہے:

"أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ يَقُولُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟"

"کیا تم میں سے لا الٰہ الا اللہ کہنے والا کوئی نہیں ہے؟" (تفسیر بغوی: ۴/ ۱۹۲)

⊙ ......قرآن مجید میں ہے کہ جہنمی جہنم میں کہیں گے:

﴿لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ﴾(المومنون: ۱۰۰)

''تاکہ جس دنیا کو میں چھوڑ آیا ہوں، اس میں جا کر نیک عمل کروں۔ ہرگز نہیں! یہ تو ایک بات ہی بات ہے جو وہ زبان سے کہہ رہا ہے، اور ان (مرنے والوں) کے سامنے عالم برزخ کی آڑ ہے جو اس وقت تک قائم رہے گی جب تک ان کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔''

یہاں اَعْمَلُ صَالِحًا سے مراد ہے:

''اَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ''

''تاکہ میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ پڑھ سکوں۔'' (تفسیر بغوی: ۳/ ۳۲۸)

⊙......ایک اور جگہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾(یونس: ۲۶)

''جن لوگوں نے بہتر کام کیے ہیں، بہترین حالت انہی کے لیے ہے، اور اس سے بڑھ کر کچھ اور بھی۔''

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے فرمایا: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا سے مراد ہے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ'' کی گواہی دینا۔ اور اَلْحُسْنٰى سے مراد جنت ہے۔ اور ''زِيَادَةٌ'' سے مراد ہے:

اَلنَّظَرُ اِلٰى وَجْهِ اللّٰهِ الْكَرِيْمِ (تفسیر درمنثور: ۴/ ۳۵۳)

''اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا۔''

⊙......ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً﴾(لقمان: ۲۰)

”اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری پوری نچھاور کی ہیں۔“

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس سے مراد ہے: ”لا الٰہ الا اللہ“

(شعب الایمان: ۶/۲۹۲)

⊙ ...... ایک بندے نے وھب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا:

”أَلَيْسَ مِفْتَاحُ الْجَنَّةِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ؟

”کیا ”لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ“ جنت کی کنجی نہیں ہے؟“

انھوں نے فرمایا: بَلٰی ... ”کیوں نہیں؟ (ایسا ہی ہے)“

وَلٰكِنْ لَيْسَ مِنْ مِفْتَاحٍ إِلَّا وَلَهُ أَسْنَانٌ، فَمَنْ أَتَى الْبَابَ بِأَسْنَانِهِ فُتِحَ لَهُ، وَمَنْ لَمْ يَأْتِ الْبَابَ بِأَسْنَانِهِ لَمْ يُفْتَحْ لَهُ.

(المطالب العالیۃ لابن حجر: ۱۲/۳۴۳، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم: ۱/۳۴۸)

”لیکن بغیر دندانوں کے چابی نہیں ہوتی، اور جو صحیح دندانے کی چابی لگاتا ہے وہ کھول لیتا ہے، ورنہ نہیں۔“

یعنی جیسے چابی کے دندانے ہوتے ہیں، اسی طرح نیک اعمال دندانے کے مانند ہیں۔ جس نے کلمہ پڑھ لیا اسے چابی تو مل گئی، لیکن اگر وہ اعمال بھی ٹھیک کر لے گا تو دندانے بھی ٹھیک ہو جائیں گے اور جنت کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور اگر اس نے اعمال ٹھیک نہ کیے تو اس کے ہاتھ میں کنجی تو ہوگی مگر وہ جنت کا دروازہ کھول نہیں سکے گا۔ اور ایسا ہوتا ہے، مثلاً: ایک آدمی کی اگر دو گاڑیاں ہیں، تو ایک کی چابی دوسرے کو لگاؤ تو دروازہ نہیں کھلتا، حالانکہ وہ چابی اندر چلی بھی جاتی ہے، کیونکہ دندانے ٹھیک نہیں ہوتے۔

⊙ ...... حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ قَالَ: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، طَلَسَتْ مَا فِیْ صَحِیْفَتِهٖ مِنَ السَّیِّئَاتِ حَتّٰی یَعُوْدَ اِلٰی مِثْلِهَا)) (تفسیر درمنثور: ۱۳/ ۳۲۹)

''جس بندے نے '' لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه '' پڑھا اس کے نامۂ اعمال میں جتنے گناہ ہوتے ہیں، اللہ سب گناہوں کو مٹا دیتے ہیں، یہاں تک کہ وہ دوبارہ اتنے گناہ کر لے۔''

خودی کا سرِ نہاں:

علامہ اقبال نے کیا اچھے اشعار کہے!

خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الٰہ الا اللہ

''خودی'' سے مراد ہے: انسان ایک اللہ کے سامنے جھکے، جگہ جگہ سر نہ جھکاتا پھرے۔ اس کو وہ ''خودی'' کہتے ہیں کہ مومن کو غیور ہونا چاہیے، ایک در پر جھکنے والا ہونا چاہیے، جگہ جگہ سر جھکانے والا نہ ہو۔

''فساں'' کہتے ہیں اس گرینڈر کو جو کسی چیز کو تیز کرنے والا ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ ''خودی'' ایک تلوار ہے اور اس تلوار کو تیز کرنے والی چیز لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ہے۔ جتنا ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' پڑھو گے تمہاری یہ خودی مزید تیز ہو جائے گی۔

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں، لا الٰہ الا اللہ
کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا
فریب سود و زیاں، لا الٰہ الا اللہ
یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند

بتانِ وہم و گماں، لا الٰہ الا اللہ

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری

نہ ہے زماں نہ مکاں، لا الٰہ الا اللہ

یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند

بہار ہو کہ خزاں، لا الٰہ الا اللہ

یہ بہت ہی خوبصورت شعر ہے۔ یعنی یہ جو "لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" والا نغمہ ہے، اس کو بہار کی ضرورت نہیں ہے کہ بہار میں پڑھیں گے اور خزاں میں نہیں پڑھیں گے۔ بہار ہو یا خزاں ہمیں تو ہر حال میں لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھنا ہے۔

اور آخر میں کہتے ہیں:

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں

مجھے ہے حکمِ اذاں، لا الٰہ الا اللہ

ہم اگر لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھیں گے تو اس سے ہمارے دل منور ہوں گے، ہمارے دلوں میں اللہ کی محبت آئے گی۔

تیسرا طریقہ: فکر

پچھلی مجلس کے ذکر کے بعد ایک تیسرا طریقہ فکر ہے، اس کو فکر کہتے ہیں۔

اردو زبان میں فکر سوچ کو کہتے ہیں۔ ذکر الگ چیز ہے، فکر الگ چیز ہے، دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ فکر کے مراقبے میں انسان منہ سے ذکر نہیں کر رہا ہوتا، صرف ایک سوچ دل میں رکھ کر بیٹھ جاتا ہوتا ہے۔ یہ سوچ انسان کے جسم پر اثر انداز ہوتی ہے۔ سوچ کا جسم پر کیا اثر ہوتا ہے یہ اس مثال سے سمجھیں کہ آپ کھانے کی حالت میں دونوں پاؤں پر کھڑے رہیں تو آدھا گھنٹہ بھی بیٹھے رہیں تو کچھ نہیں ہوگا۔ لیکن اگر

آپ بیت الخلا میں اکڑوں بیٹھیں تو اسی وقت جسم سے پیشاب پاخانہ کا اخراج ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں فرق کیا تھا؟ فکر کا فرق تھا، سوچ کا فرق تھا۔ کھانے پہ سوچ نہیں تھی تو جسم پہ اثرات مرتب نہیں ہوئے۔ بیت الخلا میں قضائے حاجت کی سوچ تھی، جسم پہ اثرات مرتب ہوئے۔ تو ثابت ہوا کہ سوچ سے جسم کے اوپر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اسی طرح کوئی سالک دل میں فیض آنے کی نیت لے کے بیٹھ جائے، تو اس نیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ معاملہ ہوگا۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ رب العزت نے فرمایا:

((اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ)) (ابن ماجہ: ۳۸۲۲)

''میں بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں''

اب جب ایک بندہ اپنے دل میں گمان لے کے بیٹھا کہ نور آ رہا ہے، میرے دل میں نور آ رہا ہے، میرے دل کی ظلمت دھل رہی ہے، اور میرا دل اللہ اللہ کہہ رہا ہے۔ تو حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمائیں گے۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں تہلیل کے ذکر کے بعد یہ فکر کے اسباق کروائے جاتے ہیں یہ مراقبہ احدیت اور اس سے آگے کے اسباق ہیں، چنانچہ سالک ان اسباق کو کر کے ان کی کیفیات و کمالات کو حاصل کرتا ہے۔

لفظ ''اللہ'' کے چند معارف

اللہ رب العزت کا جو نام ہے، یہ نام بھی کتنا پیارا ہے...! کہنے والے نے کہا:

اللہ اللہ ایں چہ شیریں ہست نام
شیر و شکر می شود جانم تمام

یعنی ''اللہ... اللہ'' یہ کتنا میٹھا لفظ ہے کہ جب میں ''اللہ'' کا نام لیتا ہوں تو میرا

پورا جسم ایسے میٹھا ہو جاتا ہے جیسے کسی چیز کے اندر چینی کو ملا کر اسے میٹھا کر دیا گیا ہو۔

اللہ کے نام میں واقعی ایسی مٹھاس ہے۔ اللہ کے نام میں کتنی عجیب صفات اور معارف ہیں، اس پر محدثین نے کتابیں لکھی ہیں۔ چنانچہ چند ایک آپ بھی سن لیجیے!

لفظ ''اللہ'' کے ساتھ حرف ندا ''یا'' کی مناسبت:

ایک تو یہ کہ ندا کے تمام حروف میں سے صرف ''یا'' کا حرف لفظ ''اللہ'' پر داخل ہو سکتا ہے، باقی حروف کے ساتھ لفظ ''اللہ'' کو منادیٰ بنانا جائز نہیں۔ اس کی کچھ وجوہات ہیں، مثلاً:

① ''یا'' ایسا حرف ہے جو قریب کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور دور کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات بھی ایسی ہے کہ وہ انسان کے قریب بھی ہے اور اپنی عظمت وجلال کی وجہ سے بندے سے دور بھی ہے۔ تو اس میں قرب بھی ہے اور بُعد بھی ہے۔ اور چونکہ اس حرف ندا کے اندر بھی قرب اور بُعد تھا تو ان صفات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ''یا'' ہی لگایا جاتا ہے۔

② دوسری وجہ یہ ہے کہ آج تک علم نحو کے ماہرین اس بات پر حیران ہیں کہ اللہ رب العزت کا یہ جو نام ہے، یہ عربی ہے یا عجمی، سریانی ہے یا عبرانی، علَم ہے یا غیر علَم، مشتق ہے یا غیر مشتق، اسی طرح ''یا'' کی حقیقت بھی لوگوں کی نگاہ سے مستور (چھپی ہوئی) ہے۔ تو چونکہ نام بھی مستور تھا اور یہ حرفِ ندا بھی مستور ہے تو مستور کو مستور کے ساتھ مناسبت ہے، اس لیے لفظ ''اللہ'' کے ساتھ صرف ''یا'' کا لفظ آ سکتا ہے۔

③ پھر قرآن پاک میں جتنے بھی منادیٰ آئے ہیں سب ''یا'' کے ساتھ آئے ہیں، گویا ''یا'' تمام حروفِ ندا میں افضل ہے اور لفظ ''اللہ'' اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں میں سے افضل ہے تو افضل کو افضل کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ اَلْاَفْضَلُ لِلْاَفْضَلِ۔

④ پھر ''یا'' ایسا حرفِ ندا ہے کہ جس میں تخفیف ہے، آسانی سے کہا جا سکتا ہے۔ اور اس کے آخر میں الف ہے، جو مد کے لیے ہے اور منادیٰ کے لیے مناسب ہے۔ چونکہ لفظ ''اللہ'' کے ساتھ کثرت سے اللہ تعالیٰ کو پکارا جاتا ہے اور کثرتِ استعمال تخفیف کا تقاضا کرتی ہے تو لفظ ''اللہ'' کے ساتھ ''یا'' کو خاص کر دیا گیا۔

⑤ تمام حروفِ ندا میں ''یا'' ایسا حرفِ ندا ہے جس کا حذف کرنا جائز ہے۔ محذوف ہونے کی صورت میں ظاہراً یہ حرف مستور ہوتا ہے اور عملاً و تصرفاً ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی ظاہر بھی ہے اور مستور بھی ہے، گویا اس حرف کا ظاہر بھی ہے، باطن بھی ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا بھی ظاہر بھی ہے، باطن بھی ہے، وہ ذات الظاھر بھی ہے اور الباطن بھی ہے، اس مناسبت کے ساتھ بھی اللہ کے نام کے ساتھ اس لفظ کا آنا زیادہ بہتر نظر آتا ہے۔

لفظ ''اللہ'' کے تمام حروف ذاتِ الٰہی کی طرف دلالت کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے نام کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس نام کے جتنے ٹکڑے کرتے چلے جائیں، جو ٹکڑا باقی بچتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے نام ہی کی طرف انسان کو دعوت دیتا ہے۔ مثلاً اللہ کا نام لکھا ہوا ہے، اب اس کو پڑھیں تو کون یاد آتا ہے؟ اللہ یاد آتا ہے۔ اب اگر کوئی اس لفظ کا پہلا الف ہٹا دے تو باقی کیا بچتا ہے؟ ''لِلّٰہ'' بچتا ہے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہے۔ اب ایک اور لام ہٹا دیں تو پھر باقی کیا رہ گیا؟ ''لَهٗ'' رہ گیا۔ تو یہ بھی اللہ کی طرف اشارہ ہے۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ..... پھر دوسرا لام بھی ہٹا دیا جائے تو باقی کیا بچ جاتا ہے؟ ''ہ (ہو)'' بچ جاتا ہے ..... لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ..... تو یہ بھی انسان کو اللہ ہی کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ کتنا خوبصورت نام ہے..... لوگوں کے نام تو ایسے ہوتے ہیں کہ ایک حرف نکال دو تو باقی

نام کا کوئی مطلب ہی نہیں بنتا، بے معنی سا نام ہو جاتا ہے۔ اللہ! آپ کتنے عظیم ہیں! آپ نے اپنے لیے کتنے خوبصورت نام کو پسند کیا! کوئی بندہ الگ الگ بھی کرتا جائے تو جو بچے گا وہ بھی اللہ ہی کی طرف انسان کو متوجہ کرے گا۔

اسم "اللہ" تمام صفات کو شامل ہے:

پھر اللہ تعالیٰ کے جتنے نام ہیں، وہ سارے کے سارے ایک صفت پر دلالت کرتے ہیں، مثلاً:

الکریم.....کرم کی صفت پر۔

الجواد.....جود کی صفت پر۔

تو ہر اسم ایک ایک صفت پر دلالت کرتا ہے۔

لیکن اسم "اللہ" ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ ایسا افضل نام ہے۔

لفظ "اللہ" میں تفخیم کی خصوصیت:

پھر یہ بھی سن لیجیے کہ لفظ "اللہ" سے پہلے اگر کوئی لفظ مفتوح ہے یا مضموم ہے تو اللہ کے لام کو پُر کر کے پڑھتے ہیں، اس کو علم قراءت کی زبان میں "تفخیم" کہتے ہیں۔ یہ تفخیم لفظ "اللہ" کی خصوصیت ہے۔ کسی اور لام میں یہ تفخیم نہیں ہو سکتی، صرف لفظ "اللہ" کے لام کو پُر پڑھا جائے گا۔

ابتدا بھی لفظ "اللہ" سے، انتہاء بھی لفظ "اللہ" سے:

یہ کیسا پیارا نام ہے کہ اذان کے شروع میں لفظ "اللہ" اور اذان کے آخر میں بھی لفظ "اللہ"۔ ہم اذان دیتے ہیں تو کہاں سے شروع کرتے ہیں؟ "اللہ اکبر"

سے ... تو پہلا لفظ ''اللہ'' بنتا ہے۔ اور جب اذان ختم کرتے ہیں تو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللہ کہتے ہیں تو کہاں پر ختم کیا ...؟ ''اللہ'' پر۔ اچھا! نماز شروع کرتے ہیں تو کیا پڑھتے ہیں ...؟ ''اللہ اکبر'' (تکبیر تحریمہ)۔ تو اللہ کے نام سے نماز کی ابتداء اور جب سلام پھیرتے ہیں تو پڑھتے ہیں: السلام علیکم و رحمۃ اللہ ... اللہ کے نام سے نماز کی انتہاء ہوئی۔ اذان کی ابتدا اور انتہا اللہ کے نام سے، اور نماز کی ابتدا اور انتہا بھی اللہ کے نام سے۔

یہ کیسا پیارا نام ہے!! اگر یہ کسی بندے کے دل میں بس جائے تو سوچیے کہ اس بندے کو اللہ کی طرف سے کتنی بڑی نعمت نصیب ہوگئی ...!! اس لیے بچہ جب دنیا میں آتا ہے تو سب سے پہلے اس کے کان میں اللہ کا نام پہنچایا جاتا ہے۔ جب بچے کے کان میں اذان دیتے ہیں تو ''اللہ اکبر'' سے شروع کرتے ہیں۔ تو سب سے پہلا نام بچے کے کان میں کون سا پہنچایا گیا؟ اللہ کا نام۔

اسم ''اللہ'' مضاف نہیں ہوتا:

ایک اور نکتہ ہے کہ اسم ''اللہ'' کسی دوسرے اسم کی طرف مضاف نہیں ہو سکتا، جب کہ دوسرے اسماء اس اسم ''اللہ'' کی طرف مضاف ہوتے ہیں۔ جیسے عبد اللہ، کتاب اللہ۔ اس کی طرف باقی اسماء تو مضاف ہو رہے ہیں لیکن اس کی اضافت کسی دوسرے کی طرف نہیں کر سکتے۔ اضافت نقص کی دلیل ہوتی ہے، اس لیے اس نام کی اضافت نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ احتیاج سے پاک ہیں، ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا نام بھی احتیاج سے پاک ہے۔

اللہ کا نام عزتوں کا سبب:

طلباء کے لیے ایک اور نکتہ ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب حروف ابجد لکھتے

ہیں تو ''ا'' کھڑا کر کے لکھتے ہیں اور ''ب'' لیٹی ہوئی لکھتے ہیں۔ تو ''ب'' فطرتاً اور اصلاً لیٹی ہوئی ہوتی ہے۔ ''ا'' کھڑا ہوا ہوتا ہے اور ''ب'' لیٹی ہوئی ہوتی ہے، لیکن یہ ''ب'' جب اللہ کے نام کے ساتھ مل جاتی ہے تو اسے کھڑا کر کے لکھتے ہیں۔ جیسے ''بسم اللہ'' تو اس میں جو شروع میں ''با'' لکھتے ہیں، اس کو بھی کھڑا کر کے لکھتے ہیں، کیوں ایسا کرتے ہیں؟ اللہ کے نام کی عظمت کی وجہ سے۔ ہمارے لیے سوچنے کی بات ہے کہ اگر ''ب'' لیٹی ہوئی تھی، جب اللہ کے نام کے ساتھ جڑی تو اللہ کے نام نے اس ''ب'' کو کھڑا کر دیا۔ اے انسان! تو بھی دنیا میں پریشانیوں سے لیٹا ہوا ہے، جب اللہ کے نام کے ساتھ ختی ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ تجھے بھی کھڑا فرما دیں گے۔ تجھے بھی عزتیں عطا فرما دیں گے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اپنے کاتب کو کہا کرتے تھے کہ جب ''بسم اللہ'' لکھتی ہو تو ''ب'' کو ذرا اونچا کر کے لکھا کرو، جتنا اونچا لکھو گے اتنا ''بسم اللہ'' میں حسن زیادہ ہوگا۔

کثرتِ ذکر کی برکت:

اب اس نام کا ذکر ہم نے کثرت کے ساتھ کرنا ہے۔ ہمارے ایک بزرگ فرماتے ہیں:

مومنا ذکرِ خدا بسیار گو
تا بیابی در دو عالم آبرو
ذکر کن ذکر تا ترا جان است
پاکی دل ز ذکر رحمٰن است

جتنا رحمٰن کا ذکر کریں گے، اتنی ہی دل کی پاکی زیادہ بڑھے گی، دل منور ہوگا۔ تو

آج کی مجلس میں، ہم اپنے دل میں یہ ارادہ کریں کہ ہم نے اس ذکر کی کثرت کرنی ہے۔ لیٹے بیٹھے، چلتے پھرتے اپنے اللہ کو یاد کرنا ہے اور اپنے دل کو اس نام سے منور کرنا ہے۔

یہ نام اتنی برکتوں والا ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اگر کوئی بندہ اپنی زندگی میں ایک مرتبہ اللہ کا نام محبت سے لے گا، اس ایک عمل کی وجہ سے کبھی نہ کبھی اس کو جہنم سے ضرور نکال لیا جائے گا۔ تو جس نام میں اتنی برکت ہو کہ اس کو ایک دفعہ محبت سے کہنا جنت میں جانے کا سبب بنے گا، اگر بار بار اس نام کو رٹیں گے تو کتنا اچھا لگے گا...؟! اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا ذکر کثرت سے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہمارے اکابر بہت زیادہ ذکر کیا کرتے تھے۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ بعض حضرات خشک ستو پھانکتے تھے۔ ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ پانی ملا کر کیوں نہیں کھا لیتے؟ کہنے لگے کہ خشک کھانے میں تو وقت کم لگتا ہے اور پانی ملا کر کھائیں تو وقت زیادہ لگتا ہے، پانی ملانے میں اتنا وقت زیادہ لگتا ہے کہ جس میں ستر مرتبہ "سبحان اللہ" پڑھ سکتا ہوں، لہٰذا پچھلے بیس سال سے میں خشک ستو کھا کر گزارہ کر رہا ہوں، اس سے جو وقت بچتا ہے اس میں بھی میں اللہ کا ذکر کر لیتا ہوں۔

فنائے قلب کی عجیب کیفیت:

اور ہمارے اکابر تو فرماتے ہیں کہ ہر سانس کے آتے اور جاتے بندہ اللہ کا نام لے، ایک سانس بھی اللہ کے نام سے غافل نہ گزرے۔ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں اس کو "وقوفِ قلبی" کہتے ہیں۔ وقوفِ قلبی کا مطلب ہے کہ دل ہر وقت اللہ کے

ساتھ جڑا رہے۔ لیٹے بیٹھے، چلتے پھرتے، ہر وقت دل اللہ کی یاد میں مصروف رہے۔
اور واقعی! انسان اس نام کو جتنا کثرت سے لیتا ہے، یہ نام انسان کے دل کے اندر اس طرح بس جاتا ہے کہ پھر انسان بھول ہی نہیں سکتا۔

بھلانا بھی چاہو تو بھلا نہ سکو گے

بھولنے کی انسان کوشش بھی کرے تو بھول نہیں سکتا، ایسا دل میں بس جاتا ہے۔

روز کہتا ہوں بھول جاؤں انہیں

روز یہ بات بھول جاتا ہوں

یہ نام دل میں اس طرح بس جاتا ہے کہ بندہ بھولنے کی نیت کرے تو بھول بھی نہیں سکتا۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس بندے کو فنائے قلب کی کیفیت حاصل ہوتی ہو، اس بندے کو ایک ہزار سال کی عمر بھی دی جائے اور اسے کہا جائے کہ اس ایک ہزار سال میں تم اللہ کے نام کو بھلا کر دکھاؤ، تو ایک ہزار سال کوشش کرنے کے باوجود وہ اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہو سکے گا۔

اس لیے مشائخ عظام نے فرمایا:

"اَلْفَانِيْ لَا يُرَدُّ." (تفسیر روح البیان: ۷ ۔ ۱۴۳)

"(ذکر میں) فنا حاصل کرنے والا واپس (غفلت کی طرف) نہیں لوٹتا۔"

واقعی جس کو ذکر میں فنا حاصل ہو جاتی ہے، پھر غفلت کا وہاں نام و نشان نہیں رہتا۔ پھل پک جائے تو کیا پکنے کے بعد دوبارہ کچا ہو سکتا ہے؟ کوئی بچہ بالغ ہو جائے تو بعد میں وہ دوبارہ نابالغ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جب ذکر میں فنا کا مقام مل جاتا ہے تو پھر بندہ دوبارہ غفلت کی طرف نہیں لوٹ سکتا۔ تو ہم ذکر کو اتنا کریں کہ اس کو فنا تک پہنچا دیں، فنائے قلبی کا مقام حاصل ہو جائے، اور ہمیں اللہ تعالیٰ شیطان کے فریب

سے محفوظ فرما لے۔

ذکر، شیطان کے خلاف مؤثر ہتھیار:

یہ ذکر انسان کے پاس اسلحہ ہے، ایک ہتھیار ہے۔ اور آپ نے دیکھا ہوگا جب کوئی فوجی کسی دشمن پر قابو پا لیتا ہے تو سب سے پہلا کام وہ یہ کرتا ہے کہ اس سے اسلحہ چھینتا ہے۔ جب بھی فوجی کسی دشمن کو پکڑتا ہے سب سے پہلے کہتا ہے: ہینڈز اپ! (ہاتھ کھڑے کرو۔) اس لیے کہ ہاتھ میں اگر کوئی چیز ہوگی تو نیچے رکھے گا یا وہ ظاہر ہو جائے گی۔ اسی طرح شیطان بھی جب انسان پر حملہ آور ہوتا ہے تو اس کو ذکر سے غافل کرتا ہے، وہ اس سے اس کا اسلحہ چھینتا ہے۔ تو ہم اپنے رب سے غافل نہ ہوں، یہ ذہن میں رکھیں کہ ہر وقت دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہو۔

رات بھر کا مراقبہ:

ہمارے مشائخ اتنا اللہ کو یاد کرتے تھے کہ وہ گھنٹوں مراقبے میں بیٹھے رہتے تھے۔ مفسر قرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کی تفسیر ایک نقشبندی بزرگ حضرت مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھی۔ ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انہی سے تفسیر پڑھی تھی۔ ان بزرگوں کو اللہ رب العزت نے بہت زیادہ ذکر کی توفیق عطا فرمائی تھی۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد مراقبہ کرواتے تھے، جس کی اختتامی دعا نہیں ہوتی تھی۔ ہم بڑے حیران ہوئے کہ عشاء کی نماز کے بعد مراقبہ کرواتے تھے اور اس کی اختتامی دعا نہیں ہوتی تھی... تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہاں! حضرت نے سب مریدین میں اعلان کیا ہوا تھا کہ بھئی! میں مراقبہ شروع کروں گا تو آپ مراقبہ میں شریک ہوں جب تک جی چاہے، پھر جو تھک جائے وہ گھر چلا جائے۔ ایک جاتا تھا، دوسرا جاتا تھا، پھر تیسرا جاتا تھا، لوگ

اٹھ کر جاتے رہتے، تہجد کا وقت ہو جاتا، حضرت جب سر اٹھاتے تو سب اٹھ کر جا چکے ہوتے، پھر حضرت تہجد کی نیت باندھ لیتے تھے۔ ان کے مراقبے میں انقطاع ہوا ہی نہیں ہوا کرتی تھی۔ اتنا لمبا مراقبہ کرتے تھے... !گھنٹوں اللہ رب العزت کی یاد میں بیٹھا کرتے تھے... !

چالیس دن کا مراقبہ:

حضرت سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ مصر میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ چالیس چالیس دن مراقبے میں بیٹھتے تھے، فقط نماز کے وقت اٹھتے تھے اور نماز پڑھ کر پھر مراقبے میں بیٹھ جاتے تھے۔ ان کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ کثرت ذکر کی وجہ سے ان کے چہرے پر اتنا نور تھا کہ لوگ ان کے چہرے کا نور برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اپنے چہرے کو لپیٹا کرتے تھے۔ عام آدمی ان کے چہرے کو دیکھ کر برداشت نہیں کر سکتا تھا، بے ہوش ہو جاتا تھا۔ ایسا نور اللہ تعالیٰ نے ان کے چہرے پر عطا فرمایا تھا... !

دل سنوارنے کے لیے وقت لگانا پڑے گا:

ہمارے بزرگوں نے تو چالیس چالیس دن کے مراقبے کیے اور ہم چالیس منٹ کا مراقبہ بھی نہیں کر پاتے۔ دو منٹ، چار منٹ کے مراقبے سے انسان کا دل نہیں سنورتا، جس دل کو بگاڑنے میں بیسیوں سال لگے، اب اس کو سنوارنے میں بیسیوں منٹ تو ضرور لگیں گے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم دو منٹ کا مراقبہ کریں اور دل سنور جائے؟ اس کے لیے وقت لگانا پڑے گا، ہم اس کو اپنی ضرورت سمجھیں، موت سے پہلے پہلے یہ نعمت ہمارے پاس ہے۔ ہم اپنے دل کو سنوار لیں تو یہ قلب، قلب سلیم بن جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا﴾

(الاحزاب: ۴۱)

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 21 مارچ 2014ء، بروز جمعہ، ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ

موقع: اٹھارہواں سالانہ نقشبندی اجتماع، نشست اول

بمقام: جامع مسجد زینب، معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

ناقص اور کامل انسان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً ﴾ (النحل: ۹۷)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بندوں کی دو قسمیں:

اللہ رب العزت کی نظر میں بندوں کی تقسیم دو طرح کی ہے:

﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ﴾ (التغابن: ۲)

''وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تم میں سے کوئی کافر ہے اور کوئی مومن ہے''

...... کچھ ماننے والے ہیں اور کچھ نہ ماننے والے ہیں۔

...... کچھ دوست ہیں اور کچھ دشمن ہیں۔

اللہ کی نظر میں یہ دو طرح کی تقسیم ہے، جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کے دوست ہیں، اور جو کافر ہیں وہ شیطان کے دوست ہیں۔

چار طرح کے انسان:

اس دنیا میں انسانوں کی زندگی پر غور کیا جائے تو چار طرح کی زندگی ہے:

① قالب کی زندگی

پہلی زندگی قالب کی زندگی ہے، جسم کی زندگی ہے۔ کافر کی زندگی قالب کے مزوں کی زندگی ہے۔ ان کی زندگی کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ جسم کو لذت ملے، جسم کو سہولت ملے، جسم کو آرام ملے۔ چنانچہ وہ کماتے ہیں تو اسی لیے کماتے ہیں، میل ملاقات رکھتے ہیں تو اسی لیے، جو بھی کام کرتے ہیں، اس سے ان کا مقصود جسم کو لذت پہنچانا ہوتا ہے، آرام پہنچانا ہوتا ہے۔

کافر کی زندگی کے دو کام:

کھانا پینا اور جماع، یہ کافر کی زندگی کا مقصد بنا ہوتا ہے۔ لہٰذا جو شخص اس کو اچھی طرح کرتا ہے، کفار کی دنیا میں وہ بڑا خوش نصیب سمجھا جاتا ہے۔ آپ غور کریں! ان کی تمام محنتوں کا نچوڑ آپ کو یہی دو چیزیں نظر آئیں گی۔

اتنی محنت کھانے پینے پر ہو رہی ہے کہ آج سبزی اور گوشت کی سینکڑوں ڈشز بن چکی ہیں۔ فاسٹ فوڈز کے نام سے روز نئے سے نئے کھانے سامنے آرہے ہیں۔ آئس کریم کے پچاس سے اوپر Flavours (ذائقے) بن چکے ہیں۔ یہ ونیلا فلیور ہے، یہ بنانا فلیور ہے، یہ فلاں فلیور ہے۔ عقل حیران ہوتی ہے کہ کھانے پینے پر اتنی محنت اور اس کی اتنی اہمیت! ایسے کہ جیسے انسان زندہ ہی کھانے کے لیے ہے۔

﴿يَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ﴾ (محمد:۱۲)

''اور اسی طرح کھا رہے ہیں جیسے چوپائے کھاتے ہیں۔''

جانور کی زندگی میں دو ہی کام ہیں، یا وہ کھاتا پیتا ہے، یا وہ جماع کرتا ہے۔ اور کافر کی زندگی میں بھی دو ہی کام ہیں، کھانا پینا اور اپنی شہوات کو پورا کرنا۔

چونکہ شہوت کو پورا کرنا مقصد بن گیا ہے، اس لیے اس کو بھی پورا کرنے کے نئے سے نئے طریقے روز ڈھونڈے جا رہے ہیں۔ عورت کے بننے سنورنے کے لیے بیوٹی پارلر بن گئے، اگر آپ کسی دوکان میں جا کر شیمپو پر ہی نظر ڈالیں تو درجنوں اقسام کے شیمپو پڑے ہوں گے، نام ہی یاد نہیں ہوتے۔

اس سے بال لمبے ہوتے ہیں

اس سے بال گھنے ہوتے ہیں

......اس سے بال سیاہ ہوتے ہیں

......اس سے بال نرم ہوتے ہیں

صرف بالوں کے اوپر اتنی محنت!! اس کی وجہ یہ ہے کہ مقصد زندگی ہی یہ بن گیا ہے۔ چنانچہ عورت اپنے بننے سنورنے پر آج لاکھوں روپیہ ضائع کر دیتی ہے۔

اور اگر کوئی رشتہ ڈھونڈتا ہو تو لڑکوں کی طرف سے صرف جمال کو دیکھا جاتا ہے کہ لڑکی خوبصورت ہونی چاہیے۔ اس میں دینداری ہو یا نہ ہو، اس کو نہیں دیکھا جاتا، الا ماشاء اللہ۔ اگر خوبصورت ہے تو سب کچھ ہے۔ اور لڑکی والے لڑکے میں مال دیکھتے ہیں۔ اگر امیر ہے، کاروبار اچھا ہے، تو وہ سمجھتے ہیں کہ بس سب کچھ ہے۔ تو ایک طرف سے مال دیکھا جاتا ہے اور دوسری طرف سے جمال کو دیکھا جاتا ہے۔

قالب کی زندگی، حیوانی زندگی ہے:

یہ زندگی حیوانی زندگی ہے، انسانی زندگی نہیں کہلاتی۔

چنانچہ قرآن مجید میں رب کریم ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴾

(الاعراف: ۱۷۹)

"وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔
یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔"

تو کافر کی زندگی بہائم (جانوروں) کی زندگی ہے۔ ہاں! ان کے ماحول میں رہنے کی وجہ سے، ان کی تعلیمات سے متاثر ہو کر، کچھ کلمہ گو بھی ایسے ہوتے ہیں جو انہی کا رنگ اختیار کر جاتے ہیں، ان کی پسند ناپسند بھی وہی بن جاتی ہے۔ وہ بھی کفر کے پرستار بن جاتے ہیں اور شریعت سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ یہ سارے لوگ قالب کی زندگی گزارنے والے ہیں۔ ان کی تمام محنتوں کا مرکز اور محور انسان کا جسم ہے۔

② قلب کی زندگی

ایک دوسری زندگی ہے، اس کو کہتے ہیں: قلب کی زندگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کلمہ پڑھا، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا، نبی ﷺ کی رسالت کا اقرار کیا۔ یہ دین اسلام قبول کرنے والے اور مسلمان کہلانے والے لوگ ہیں۔ ان کی آگے پھر تین قسمیں ہیں۔

① اسلامی زندگی

یہ قلب کی زندگی گزارنے والے ان مسلمانوں کی زندگی ہے، جو شریعت کے بڑے بڑے احکام (نماز، روزہ، حج، زکوۃ) اس کو پورا کرتے ہیں، مگر سمجھتے ہیں کہ شاید دین صرف یہیں تک ہے۔ اس کے علاوہ ان کی بقیہ زندگی من مرضی کی زندگی ہوتی ہے۔ یہ بھی نفس امارہ کی زندگی گزارنے والے لوگ ہیں کہ چند احکام کے علاوہ ان کی اپنی زندگی من مرضی کے مطابق ہوتی ہے، ان کو شیطان ذرا سی پھونک مارتا ہے تو یہ اس کے پیچھے چلنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

نام کے مسلمان:

یہ نام کے مسلمان ہیں کہ نام تو مسلمانوں والا ہے لیکن اگر کام دیکھیں تو کام سے مسلمان نظر نہیں آتے۔ چنانچہ علامہ اقبال نے ''نامۂ ابلیس'' کے نام سے فارسی میں عجیب اشعار لکھے ہیں۔ فرماتے ہیں:

اے خداوند ثواب و ناثواب
من شدم از صحبت آدم خراب

''اے نیکی و بدی کے پیدا کرنے والے پروردگار! میں آدم کی صحبت سے بہت خراب ہو گیا ہوں۔''

یہ اتنا بدکار بن گیا کہ اس نے مجھے بھی خراب کر ڈالا۔

صید خود صیاد را گوید بگیر
الاماں از بندۂ فرماں پذیر

''شکار خود شکاری کو کہتا ہے کہ مجھے پکڑ لو، ایسے فرمانبردار بندوں سے اللہ کی پناہ۔''

یہ کیسے لوگ ہیں کہ جو خود مجھے کہتے ہیں کہ تو ہم سے جو چاہے گناہ کروا لے۔

فطرت او خام و عزم او ضعیف
تاب یک ضربم نیارد ایں حریف

''اس کی فطرت خام ہے اور اس کا عزم ضعیف ہے، یہ حریف تو میری ایک ضرب کی بھی تاب نہیں لا سکتا۔''

میں ایک ضرب لگاتا ہوں اور یہ چت ہو جاتا ہے۔

ابن آدم چیست یک مشت خس است
مشت خس را یک شرار از من بست

''ابن آدم کیا ہے؟ ایک مٹھی تنکوں کے مانند ہے، اور اس ایک مٹھی تنکوں کے لیے میری طرف سے ایک شرر (شعلہ) ہی کافی ہے۔''

اندریں عالم اگر جز خس نہ بود
ایں قدر آتش مرا دادن کہ سوت

''(اے اللہ!) اگر اس جہان میں ان تنکوں کے سوا اور کوئی چیز بھی نہیں ہے تو آپ نے مجھے اتنی آگ کیوں عطا کی ہے؟''

اے خدا! یک زندہ مرد حق پرست
لذت شاید کہ یابم در شکست

''اے اللہ! ایک کوئی زندہ مرد حق مجھے ایسا دکھا دے کہ جس کی وجہ سے مجھے شکست حاصل ہونے کی لذت نصیب ہو جائے۔''

کہتا ہے کہ کوئی تو ایسا مومن ہو جو مجھے بھی ہرا دے۔

تو انسان نفس امارہ کی وجہ سے ایسی زندگی گزارتا ہے کہ من مرضی کی زندگی ہوتی ہے۔ یہ اگرچہ کلمہ پڑھا ہوا بندہ ہے، لیکن اس کی زندگی اسلام والی زندگی نہیں ہوتی، من مرضی کی زندگی ہوتی ہے۔

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ هُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ (الروم: ۷)

''وہ دنیوی زندگی کے صرف ظاہری رخ کو جانتے ہیں، اور آخرت کے بارے میں ان کا حال یہ ہے کہ وہ اس سے بالکل غافل ہیں۔''

مقصدِ زندگی بس مال کمانا:

ایسے لوگوں کا مقصود صرف مال کمانا اور دنیا کی عیش کی زندگی گزارنا ہوتا ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ میرے مرنے کے بعد میرے بچوں کا کیا بنے گا؟ کبھی یہ بھی سوچ کہ بچوں کے مرنے کے بعد بچوں کا کیا بنے گا؟ یہ سوچ نہیں آتی کہ بچوں کے مرنے کے بعد ان بچوں کا کیا بنے گا؟ انہیں! میرے مرنے کے بعد بچوں کا کیا بنے گا؟ بھئی! جو تمہارا پروردگار ہے وہ تمہارے بچوں کا بھی پروردگار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو بھی رزق دے گا۔ مگر ان کی زندگی صرف مال کمانے تک محدود ہوتی ہے۔ اس لیے آج کے دور کا ایک بڑا فتنہ یہ ہے:

﴿يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾

(القصص: ۷۹)

"اے کاش! ہمارے پاس بھی وہ چیزیں ہوتیں جو قارون کو عطا کی گئی ہیں۔ یقیناً وہ بڑے نصیبوں والا ہے۔"

کفار کے مشابہ زندگی:

تو کافر تو سب کی زندگی گزارنے والے لوگ ہیں اور جو کلمہ پڑھنے والے مسلمان ہیں وہ عام کی زندگی گزارتے ہیں مگر ان میں جو اپنے آپ پر محنت نہیں کرتے وہ غفلت میں بہت ہی زیادہ حیوانی زندگی گزارتے ہیں۔ جب مال پیسہ ان کے پاس ہو تو وہ عیاشیوں میں مشغول ہوتے ہیں، ان کو کافرین کے تماشے دیکھنے کا شوق رہتا ہے اور اپنی خواہشات کو پورا کرنا ان کا بھی مقصد بنا ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں علامہ اقبال کہتے ہیں:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

کہ نام کے مسلمان ہوتے ہیں، مگر ان کی باتیں، ان کا لباس، ان کا اٹھنا بیٹھنا، وہ سارے کا سارا کفر کے مانند ہوتا ہے۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ)) (ابوداؤد، حدیث: ۴۰۳۳)

''جس نے جس قوم سے مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے شمار کیا جائے گا۔''

نفسِ امارہ کے مارے لوگ:

یہ نفس امارہ والے لوگ ہیں، جنہوں نے اپنے نفس پر محنت نہیں کی ہوتی بلکہ وہ اپنے نفس کی چاہتوں کو پورا کرنے کے لیے صبح و شام لگے ہوئے ہوتے ہیں۔

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ مسلمان بھی ہو
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

کہنے کو مسلمان ہوتے ہیں، لیکن آپس میں جھگڑے ہوتے ہیں۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ مسجد میں آنے والے، نماز پڑھنے والے، ادھر بھی داڑھی، ادھر بھی داڑھی، ادھر بھی ٹوپی، ادھر بھی ٹوپی، اور مقدمہ چل رہا ہوتا ہے مسجد کے بارے میں۔ نفس اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ وہ اپنی خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ آج جو یہ عدالتیں مقدموں سے بھری پڑی ہیں، یہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ دل عداوتوں سے بھرے پڑے ہیں۔ جب دل عداوتوں سے بھرتے ہیں، تب عدالتیں مقدموں سے بھرتی ہیں۔ بھائی بھائی پر مقدمہ، پڑوسی پڑوسی پر مقدمہ اور کہنے کو ہم مسلمان بھی

ہیں......!

بے عملی کی بنیادی وجہ:

اس کی بنیادی وجہ کیا ہوتی ہے؟ کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کی چنگاری روشن نہیں ہوتی۔ شاعر نے کہا:

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی
لبھاتا ہے دل کو بیانِ خطیب
مگر لذتِ شوق سے بے نصیب
وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد
امانت میں یکتا دیانت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا
وہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

تو آج کا یہ مسلمان راکھ کا ڈھیر ہے، اس کے اندر اللہ کی محبت کی چنگاری نہیں ہے۔ نتیجہ کیا نکلا؟ کہ بس اپنی خواہشات کو پورا کرنا ہی مقصدِ زندگی بن گیا ہے۔ دنیا میں ہم اس طرح جیتے ہیں کہ شاید ہم نے کبھی مرنا ہی نہیں۔ ایک اور جگہ علامہ اقبال نے فارسی میں بڑے عجیب اشعار کہے ہیں! فرماتے ہیں:

عقلِ تو زنجیری است افکار غیر
در گلوئے تو نفس از تار غیر

''اے نام کے مسلمان! تیری عقل غیر کے خیالات کی بنی ہوئی زنجیر ہے۔ اور تیرے گلے میں جو سانس چلتا ہے وہ بھی غیر کے تار کا۔''

بر زبانت گفتگو ہا مستعار

در دل تو آرزو ہا مستعار

''تیری زبان پر جو گفتگو ہے، وہ بھی کسی سے مانگی ہوئی ہے، اور تیرے دل میں جو آرزوئیں ہیں وہ بھی کسی سے ادھار لی گئی ہیں۔''

قمریانت را نوا ہا خواستہ

سروہائیت را قبا ہا خواستہ

''تیری قمریاں جو نغمے گا رہی ہیں وہ بھی کسی غیر کے ہیں۔ اور تیرے سراپا جو کپڑے پہنے ہوئے ہیں، یہ پیرہن بھی کسی کے پہنے ہوئے ہیں۔''

آں نگاہش سر ما زاغ البصر

سوئے قوم خویش باز آید اگر

''وہ ہستی کہ جن کی نگاہ ما زاغ البصر تھی کہ جو کسی کی طرف نہیں جاتی تھی، اگر وہ اللہ کے محبوب ﷺ دوبارہ اپنی امت کی طرف آ جائیں۔''

لست منی گویدت مولائے ما

وائے ما! اے وائے ما! اے وائے ما!

''تو میرے آقا یہ فرمائیں گے کہ تم میری امت میں سے ہی نہیں ہو۔ ہائے افسوس! ہائے افسوس! ہائے افسوس!''

تو حالت ایسی ہی ہے کہ نام کے مسلمان ہیں، لیکن کام دیکھو تو وہ مسلمانوں والے نظر نہیں آتے، بلکہ وہ حیوانوں والے ہی ہیں۔

⑭ ایمانی زندگی

ایک ایمانی زندگی ہوتی ہے۔ اس میں انسان نیک اعمال کرتا ہے، دین کے کام کرتا ہے، علم پڑھتا ہے، ذکر اذکار بھی کرتا ہے، مگر اس کا تزکیہ نہیں ہوتا۔ نفس کا تزکیہ نہیں ہوتا، قلب کا تصفیہ نہیں ہوتا۔ پھر نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ کہ وہ ظاہری گناہوں سے تو بچتا ہے، لیکن چھپے گناہوں سے نہیں بچتا۔ وہ ان گناہوں سے اس لیے بچتا ہے کہ کہیں لوگ ملامت نہ کریں، کہیں بدنامی نہ ہو جائے۔ اللہ رب العزت کے ڈر سے گناہوں کو چھوڑنا، یہ چیز اس کے اندر نہیں ہوتی۔ چنانچہ جلوت متقیوں والی ہوتی ہے اور خلوت فاسق اور فاجر والی ہوتی ہے۔ یہ آدمی موقع پر گناہ تو کر بیٹھتا ہے، چونکہ نفس بے قابو ہوتا ہے، مگر پچھتاتا بھی ہے، اللہ کے سامنے روتا بھی ہے، معافیاں بھی مانگتا ہے، مگر نفس کو لگام نہیں ڈال پاتا۔ بسا اوقات دین کے کام میں بھی لگا ہوا ہوتا ہے، خوب وقت لگاتا ہے، تسبیحات بھی خوب پڑھتا ہے، اجتماعات میں بھی آتا جاتا ہے، دین کی بات بھی کرتا ہے، دین پر لوگوں کو ترغیب بھی دیتا ہے، مگر اپنا حال یہی ہوتا ہے کہ ذرا گناہ کا موقع آیا اور اس کا وضو ٹوٹا۔ یہ پیشاب سے پھسلنے والا بندہ ہوتا ہے۔

دورنگی زندگی:

یہ دورنگی کی زندگی ہوتی ہے۔ اس لیے ہمارے اکابر نے فرمایا: ؎

دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا
سراسر موم ہو جا یا سنگ ہو جا

یہ منافقت کی زندگی ہوتی ہے۔ اوپر سے میاں تسبیح اور اندر سے میاں کسبی۔ فرض کرو! اگر شریعت میں سو گناہ ہیں تو یہ نوے گناہوں کو چھوڑ دے گا، لیکن دس گناہ

پھر بھی رہیں گے ... بچانوے کو چھوڑ دے گا اور پانچ گناہ رہیں گے ....اٹھانوے گناہوں کو چھوڑ دے گا، دو گناہ رہیں گے۔ ایک دو گناہ ایسے ہوتے ہیں جو ساتھ ساتھ چپکے رہتے ہیں۔ زبان پر بھی دین کی باتیں اور اٹھنا بیٹھنا بھی دین والوں کے ساتھ، مگر سو فیصد گناہوں سے جان نہیں چھوٹتی۔ شریعت نے جس کو کہا:

﴿اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً﴾ (البقرة:۲۰۸)

''اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔''

یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ ہماری علاقائی زبان میں کہتے ہیں: ''کنڈا وچے رہیا'' تو وہ کانٹا اڑکا ہی رہتا ہے، گناہ سے جان نہیں چھوٹتی۔ سینے میں مہلک بیماریاں ہوتی ہیں۔ تکبر، عجب، کینہ، حسد، بغض، ان تمام بیماریوں کے ساتھ یہ دین کی زندگی بھی گزار رہا ہوتا ہے۔

دورنگی زندگی کا وبال......اعمال ضائع:

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک حدیث مبارکہ دل کے کانوں سے سننے والی ہے۔ ذرا توجہ کیجیے گا! سالم مولی ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

((قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يُؤْتَى بِأَقْوَامٍ مِنْ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَهُمْ حَسَنَاتٌ كَأَنَّهَا مِثْلُ جِبَالِ تِهَامَةَ))

''اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے کچھ لوگ پیش کیے جائیں گے جن کی نیکیاں تہامہ کے پہاڑوں کے برابر ہوں گی۔''

اس کا مطلب ہے کہ وہ نیکی کا کام خوب دوڑ دوڑ کر کرتے ہوں گے، بھاگ بھاگ کر کرتے ہوں گے۔

((حَتّٰى إِذَا دَنَوْا يَعْنِي وَأَشْرَفُوْا عَلَى الْجَنَّةِ نُوْدِيَ فِيهِمْ: لَا نَصِيبَ

((لَكُمْ فِيهَا))

"جب جنت کے قریب آئیں گے تو ان کو کہہ دیا جائے گا کہ ان کا جنت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔"

((قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ! جَلِّ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمَ لَنَا حَتّٰى نَعْرِفَهُمْ. فَوَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ! لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ أَكُونَ مِنْهُمْ))

"(صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:) میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! آپ ذرا اس قوم کا حلیہ بیان کر دیجیے، تاکہ ہم ان کو پہچان تو لیں۔ اس ذات کی قسم کہ جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا! مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں بھی ان میں سے نہ ہو جاؤں۔"

((فَقَالَ: أَمَا إِنَّهُمْ كَانُوا يَصُومُونَ وَيُصَلُّونَ وَيَقُومُونَ لَيْلَهُمْ))

"(نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے) ارشاد فرمایا: خبردار! یہ وہ لوگ ہوں گے جو روزے رکھتے ہوں گے، نمازیں پڑھتے ہوں گے اور راتوں کو تہجد بھی پڑھتے ہوں گے۔"

((وَلٰكِنَّهُمْ إِذَا عَرَضَ لَهُمْ شَيْءٌ مِنَ الْحَرَامِ وَثَبُوا عَلَيْهِ))

"لیکن جب ان کو کوئی گناہ کرنے کا موقع ملتا ہوگا تو وہ گناہ کر لیتے ہوں گے۔"

((فَأَحْبَطَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ أَعْمَالَهُمْ))

(مجلس فی رؤیۃ اللہ، ص: ۲۰۷، امالی ابن بشران: ۲۰۸/۲)

"پس اللہ تعالیٰ ان کے کیے ہوئے عملوں کو ضائع فرما دیں گے۔"

اب یہاں چند باتیں غور طلب ہیں کہ یہ وہ لوگ نہیں ہیں جو دین سے بیزار ہوتے ہیں، بلکہ ان کے اعمال تو ایسے ہوں گے کہ تہامہ کے پہاڑوں کے برابر نیکیاں

ہوں گی۔ اور یہ صرف فرض نمازیں ہی نہیں پڑھتے ہوں گے، بلکہ یہ تہجد گزار لوگ ہوں گے، دین دار لوگ ہوں گے، اوڑھنا بچھونا دین ہوگا، مگر مسئلہ یہ ہوگا کہ جب گناہ کا موقع ملتا ہوگا تو گناہ سے رکتے نہیں ہوں گے۔ نتیجہ کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ ان کے کیے ہوئے عملوں کو ضائع کر دیں گے۔ اب ایک طرف تو پہاڑوں برابر نیکیاں ہیں اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ ان نیکیوں کو قیامت کے دن ضائع فرمادیں گے۔

اعمال ضائع ہونے کی وجہ...... نفس پرستی:

ایسا کیوں ہوگا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ رب العزت کی پوجا کرنے کے بجائے اپنے نفس کی پوجا کرتے ہوں گے، اور یہ اللہ کے ساتھ شرک ہوگا۔ دیکھیں! زن پرستی...... زر پرستی...... شہوت پرستی...... نفس پرستی، یہ سب کی سب بت پرستی ہی کی اقسام ہیں، خدا پرستی کوئی اور چیز ہے۔ تو یہ اتنی نیکیاں کرنے کے باوجود بھی گویا خود پرستی کرنے والے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ﴾ (الجاثیہ:۲۳)

''پھر کیا تم نے اسے بھی دیکھا جس نے اپنا خدا اپنی نفسانی خواہش کو بنا لیا ہے؟''

یہ اللہ کو بھی معبود بنا رہے ہیں، مگر نفس کو بھی معبود ہی بنایا ہوا ہے، اس کی بھی عبادت کرتے ہیں، اس کے سامنے بھی جھک جاتے ہیں۔ نتیجہ کیا نکلا؟ کہ اس شرک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کیے ہوئے عملوں کو ضائع فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے پیارے حبیب ﷺ سے فرمایا:

﴿لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ (الزمر:۶۵)

''اگر تم نے شرک کا ارتکاب کیا تو تمہارا کیا کرایا سب غارت ہو جائے گا۔''

ذرا غور کیجیے کہ یہ اتنا اہم مسئلہ ہے کہ کی ہوئی نیکیاں برباد ہو جائیں گی اور انسان قیامت والے دن خالی ہاتھ کھڑا ہوگا۔ لہذا یہ بہت ہی توجہ طلب بات ہے کہ ہم شریعت کی چند باتوں پر عمل کر کے خوش نہ ہو جائیں کہ ہم تو بڑے نیک بن گئے۔ دیکھنا یہ ہے کہ پوری شریعت پر عمل کرتے ہیں یا نہیں کرتے؟ اللہ کے سامنے پوری طرح اپنا سر جھکاتے ہیں یا نہیں جھکاتے؟ اور اگر من مانی کر لیتے ہیں، خفیہ گناہ کر لیتے ہیں، خلوت میں گناہ کر لیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم تو اپنے نفس کی پوجا کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے قیامت کے دن پہاڑوں برابر نیکیوں کے باوجود جنت میں نہیں جا سکیں گے، جہنم میں جانا پڑے گا۔

خانقاہ میں آنے کا مقصد...... اصلاحِ نفس:

ہمارا یہاں اکٹھے ہونے کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ ہم اپنے نفس پر اتنی محنت کریں کہ نفس کو شریعت کی لگام پہنا دیں۔ ہمیں سو فیصد شریعت پر عمل کرنے کی سعادت نصیب ہو جائے۔ ہم اس نیکی کے راستے پر چلے تو سہی، لیکن پورا سفر نہیں کیا۔ فرض کریں! سو قدم تھے تو کسی نے اسی اٹھا لیے، کسی نے نوے اٹھا لیے، سو نہیں اٹھائے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ لوگ بھی ہمیں دیندار سمجھتے ہیں اور ہمارا اٹھنا بیٹھنا بھی دینداروں والا ہے، لیکن سو فیصد گناہ نہ چھوڑنے کی وجہ سے اللہ رب العزت کے دفتروں میں ہم نیک نہیں کہلاتے، وہاں ہم دورنگی والے منافق کہلاتے ہیں۔ اس لیے یہ بہت اہم نکتہ ہے کہ ہم پورے گناہوں کو چھوڑ دیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے سر کو جھکا دیں، ہر کام شریعت کے مطابق کریں۔

بڑے خطرے کی بات:

آج کل نوجوان اپنی خواہشات کو پورا کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتے۔

ہاں! اتنا ضرور دیکھتے ہیں کہ کسی کو پتا نہ چلے۔ خاوند یہ خیال کرتا ہے کہ بیوی کو پتا نہ چلے۔ اسی طرح بیوی یہی دیکھتی ہے کہ خاوند کو پتا نہ چلے۔ تو گویا ہم! اگر گناہ سے بچ رہے ہیں تو کسی اور کی وجہ سے بچ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کی وجہ سے نہیں بچ رہے۔ اس لیے میں اپنے دوستوں کو کہتا ہوں کہ جب میسج میں کسی کو لکھیں کہ I love you تو ہاتھ کاٹنے چاہئیں۔ زبان سے کسی کو کہیں کہ I love you تو زبان کاٹنی چاہیے۔ کیوں؟ یہ اتنا Strong statement (زہریلا جملہ) ہے کہ اگر آپ نے یہ خلاف شریعت الفاظ کسی غیر محرم کو کہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی غیرت کا معاملہ ہوتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ آپ یہ الفاظ لکھ کر کسی کو میسج کریں اور اللہ تعالیٰ کو غیرت آئے اور وہ فرما دیں کہ اچھا! میرے چاہنے والوں میں سے اس کا نام خارج کر دو۔ تو یہ کوئی چھوٹی سی بات نہیں ہے، بہت سوچ سمجھ کر یہ بات کرنی چاہیے اور آج تو کفر نے ایسا ماحول بنا دیا ہے کہ کسی کا فون آجائے آخر پر لازماً یہ الفاظ کہتے ہیں اور دکھ اس بات پر ہوتا ہے کہ توقع کرتے ہیں کہ اگلا بھی یہی لفظ کہے گا...!

انٹرنیٹ اور سیل فون نے گناہوں کے راستوں کو کھول دیا ہے۔ اس لیے یہ انٹرنیٹ حقیقت میں Enter in to the net (جال کے اندر داخل ہو جاؤ) ہے۔ جس کو یہ عادت پڑ گئی وہ جال میں پھنس گیا۔ تو ایسی زندگی کہ جس میں انسان لوگوں کے سامنے ہو تو مومن ہو اور تنہائی میں ہو تو فاسق و فاجر ہو، یہ دورنگی کی زندگی بھی اللہ رب العزت کو پسند نہیں ہے۔

کاتے دھاگے توڑنے والی بڑھیا کی مثال:

نفسانی محبتیں انسان کو اللہ تعالیٰ کی نظر سے گرا دیتی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی محبت چاہنے والے لوگ ہیں ان کو اس بات پر بہت زیادہ محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

ورنہ تو قیامت کے دن وہی معاملہ ہوگا کہ قرآن مجید میں ایک بڑھیا کے بارے میں فرمایا:

﴿الَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا﴾ (النحل: ۹۲)

"جس عورت نے اپنے سوت کو مضبوطی سے کاتنے کے بعد اسے ادھیڑ کر تار تار کر دیا تھا۔"

کہ وہ دھاگہ تو کاتتی تھی اور جب پورا کام ہو جاتا تھا اپنے ہاتھوں سے دھاگوں کو توڑ بیٹھتی تھی۔ اس لیے جو آدمی نیکی بھی کرے، تہجد بھی پڑھے، اذکار بھی کرے، مجالس میں بھی آئے مگر چھپے ہوئے چند گناہ بھی کرتا رہے، اس کی مثال اس بوڑھی عورت کے مانند ہے، جس نے بھی دھاگہ تو کاتا لیکن کاتنے کے بعد اس دھاگے کو توڑ بیٹھی۔

③ احسانی زندگی

ایک چوتھی زندگی گزارنے والے لوگ ہوتے ہیں، وہ احسان والی زندگی گزارتے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نفس مطمئنہ عطا کر دیتے ہیں اور ان کا نفس شریعت کا تابعدار بن جاتا ہے۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی سعادت ان کو نصیب ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے نفس پر محنت کرتے ہیں، حتیٰ کہ ان کی زندگی کا مقصد محبت الٰہی بن جاتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی احسان والی زندگی تھی، وہ اس طرح زندگی گزارتے تھے جیسے ہر وقت اللہ رب العزت کے سامنے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو دیکھتے ہیں۔

احسانی کیفیت کے واقعات

واقعہ (۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک چرواہے سے بات کر رہے تھے کہ تم بکری ہمیں بیچ دو۔ اس نے کہا: میں مالک کو کیا کہوں گا؟ تو آپ نے کہا کہ کوئی بہانہ کر دینا کہ بکری کو بھیڑیا کھا گیا۔ تو وہ چرواہا سن کر کہتا ہے: فَأَيْنَ اللهُ "اللہ کہاں ہے؟" مقصد یہ تھا کہ اگر میں یوں کہوں گا تو اللہ بھی تو دیکھ رہا ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۲، ۲۶۳)

مطلب یہ ہے کہ ان کا ایمان اتنا قوی تھا کہ سمجھتے تھے کہ ہم جو کر رہے ہیں پروردگار دیکھ رہا ہے۔

واقعہ (۲)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گلی میں سے گزر رہے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ ایک بوڑھی عورت ایک جوان لڑکی سے بات کر رہی تھی: کیا بکریوں نے دودھ دے دیا؟ اس نے کہا: دے دیا۔ کتنا دیا؟ اس نے کہا: کچھ کم دیا ہے۔ وہ کہتی ہے: اچھا کچھ پانی ملا دو، کیونکہ لینے والا آئے گا تو وہ تو پورا دودھ مانگے گا۔ اس نے کہا: آپ کو پتا نہیں عمر (رضی اللہ عنہ) نے منع کر دیا ہے کہ دودھ میں پانی کوئی نہ ملائے۔ تو بوڑھی عورت آگے سے کہتی ہے: عمر کون سا دیکھ رہے ہیں؟ تو وہ جوان لڑکی جواب دیتی ہے: اگر عمر نہیں دیکھ رہے تو عمر کا خدا تو دیکھ رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ جواب سن کر بڑے خوش ہوئے کہ واپس گھر آئے، دن ہوا تو پھر اس بچی کے لیے رشتے کا پیغام بھیجا اور اپنے ایک بیٹے کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔ (کنز العمال)

تو ایسا ایمان ہو کہ انسان گناہ کے وقت بھی یہ سوچے کہ میں نے اپنے رب کی

نافرمانی نہیں کرنی۔

واقعہ (۳)

چنانچہ ایک عورت کہیں ویرانے میں تھی۔ ایک مرد نے اس کو دیکھ کر کہا کہ بس یہاں تو تنہائی ہے، میں ہوں اور آپ ہیں یا ستارے ہیں۔ اس نے آگے سے جواب دیا: ''ستاروں کا پیدا کرنے والا کہاں ہے؟''

ان کا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہے۔

واقعہ (۴)

کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک جگہ اندھیرا تھا۔ اس جگہ پر ایک مرد نے کسی عورت کے جسم پہ ہاتھ رکھ دیا۔ تو جیسے ہی ہاتھ رکھا، اس عورت نے فوراً کہا: ذرا اس پروردگار سے جو اندھیرے میں اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح کہ وہ اجالے میں دیکھتا ہے۔

چونکہ ایمان بنا ہوا تھا، اس لیے یہ سوچ نہیں ہوتی تھی کہ مخلوق میں سے کوئی دیکھ رہا ہے یا نہیں، بلکہ یہ سوچ ہوتی تھی کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ اس لیے گناہوں سے بچتے تھے۔

واقعہ (۵)

چنانچہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک قصاب کا اپنے ہمسائے کی باندی سے تعلق بن گیا، اور یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح میں اس کے سامنے اپنے مدعا کا اظہار کروں۔ تو ایک دن اس کو موقع مل گیا۔ اس نے اس کو کہا کہ بس مجھے تم سے اتنا تعلق ہے کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا، میں تم سے

ملنا چاہتا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ جتنا تم مجھ سے پیار کرتے ہو، اس سے زیادہ میں تمہیں پسند کرتی ہوں مگر میں اللہ سے ڈرتی ہوں، اس لیے میں بات نہیں کر سکتی۔

اجتماع کا مقصد، کیفیت احسان کا حصول ہے:

مطلب یہ ہے کہ ہمیں ہر جا میں یہ استحضار رہتا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ ہم جو کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے۔ یہ استحضار ہمارا نہیں بنا ہوا۔ اگر بنا ہوتا تو ہم گناہوں سے سو فیصد بچ جاتے۔ اس کیفیت کو بنانے کے لیے ہم یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ یہی مقصود ہے کہ ہم یہاں ذکر کریں، اللہ تعالیٰ کے سامنے اتنی توبہ کریں کہ گناہ والی زندگی سے نکل جائے۔ یہ نہیں ہوگا کہ ہم فرشتے بن جائیں گے مگر اتنا ضرور ہوگا کہ نفس کے اوپر ہمیں اتنا قابو مل جائے کہ گناہ کے موقع پر ہم گناہ کی طرف قدم بڑھانے کے بجائے اپنے رب کے حکم کی طرف قدم بڑھائیں گے۔ جو لوگ یہ چیز حاصل کر لیتے ہیں وہ مومن کامل کہلاتے ہیں۔ ع

ہم تو زندہ ہیں کہ دنیا میں ترا نام رہے

ان کی زندگی کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کا پیغام دنیا کے اندر پھیلا دیا جائے۔

ایک قاضی اور چار گواہ موجود:

ایک خاتون نے کسی بزرگ سے اظہار مدعا کیا کہ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ تو انہوں نے کہا کہ کیسے ہم کوئی عمل کر سکتے ہیں جب کہ ایک قاضی اور چار گواہ ہمیں دیکھ رہے ہیں؟ تو عورت حیران ہوئی، کہنے لگی: ایک قاضی اور چار گواہ ہمیں دیکھ

رہے ہیں؟ تو کہنے لگے: ہاں! قاضی اللہ رب العزت کی ذات ہے اور دو فرشتے میرے اور دو فرشتے تمہارے، چار گواہ بھی ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ جب قاضی بھی دیکھ رہا ہو، چار گواہ بھی دیکھ رہے ہوں تو پھر فرد جرم عائد ہونا آسان ہوتا ہے۔ ان کی بات ایسی تھی کہ اس بات کی وجہ سے اس عورت کو اللہ نے توبہ کی توفیق عطا فرما دی۔ آج تو گناہ اس لیے نہیں کیا جاتا کہ گناہ کا موقع نہیں ملتا، ورنہ موقع مل جائے تو قسمت والے ہوتے ہیں جو گناہ سے بچ جاتے ہیں۔

احسانی کیفیت کے دو درجات:

یہاں پر ایک اور بھی بات سمجھنے والی ہے کہ حدیث جبریل میں احسان کے بارے میں فرمایا گیا:

«اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ. فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ»

''تم اللہ کی عبادت ایسے کرو جیسے اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم ایسے نہیں کر سکتے تو یہ تصور کرو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔'' (صحیح بخاری، حدیث: ۵۰)

یہ جو پہلا مرتبہ ہے، یہ تو نبوت کا اور صدیقیت کا منصب ہے۔ ہر بندہ ایسا نہیں کر سکتا۔ نبی علیہ السلام تو معراج پر اللہ تعالیٰ کا دیدار کر کے آئے تھے تو ان کی عبادت ایسی تھی کہ جیسے اللہ کو دیکھ رہے ہوں۔ یا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، جنہوں نے نبی علیہ السلام سے معیت کاملہ کی ایسی نسبت جوڑی تھی کہ ان کو اللہ نے وہ کیفیات دے دی تھیں۔

تو یہ کیفیت تو ہے اس مقام کی۔ اور باقی ہم اور آپ جو ہیں، ہمارے لیے تو یہی کیفیت ہے:

فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

"اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھتا ہے۔"

ہم یہ مشق کریں کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ اس لیے آخر نقشبندیوں میں آپ کو شروع سے تو تعلیم دی جاتی ہے کہ بھئی! یہ خیال کرو کہ اللہ مجھے دیکھتا ہے۔ اسباق بھی کروائے جاتے ہیں:

اَللّٰهُ حَاضِرِيْ، اَللّٰهُ نَاظِرِيْ، اَللّٰهُ مَعِيْ

"اللہ میرے سامنے ہے، مجھے دیکھتا ہے، اللہ میرے ساتھ ہے۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے، یہ کامل یقین دل میں بیٹھ جائے۔ ذکر کا بھی بنیادی مقصد یہی ہوتا ہے کہ ایسا یقین بیٹھ جائے، پھر ہم گناہ نہ کریں۔

جس بندے کو عبادت کی یہ کیفیت نصیب ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر گناہوں کو چھوڑ دے، ایسا بندہ سچی توبہ کرنے والا ہوتا ہے۔ اور یہ اللہ کا محبوب ہوتا ہے۔ فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ ﴿البقرۃ: ۲۲۲﴾

"بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔"

جو بندہ سب گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ اور یہی اصل ذکر ہوتا ہے۔

اصلی ذاکر کون ہوتا ہے؟

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ذاکر کون ہوتا ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو بندہ گناہ کے موقع پر اللہ کو یاد رکھے اور گناہ سے بچ جائے، اصلی ذاکر وہ ہوتا ہے۔ ذاکر وہ نہیں ہوتا کہ ویسے تو تسبیح پڑھتا رہے اور موقع پر جھوٹ بھی بول دے۔

موقع پر غیبت بھی کر لے، موقع پر آنکھ سے بھی غلط دیکھ لے، یہ کہاں سے ذاکر آ گیا؟ یہ تو غافل آدمی ہے۔ ذاکر وہ ہے جس کو احکام خدا یاد رہیں، کہ میں نے کوئی کام اللہ کے حکم کے خلاف نہیں کرنا۔ اب اس بندے کی زندگی تو دیکھنے میں ویسی ہی ہوتی ہے اور دوسرے جو دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور تہامہ کے پہاڑوں کے برابر نیکیاں لے کر آئیں گے، زندگی ان کی بھی دیکھنے میں ایک ہی جیسی ہوتی ہے۔ مگر اندر سے فرق ہوتا ہے۔ ایک چھپے گناہوں سے بچتا ہے، دوسرا گناہوں سے نہیں بچتا۔ اس لیے بہت فرق ہو جاتا ہے۔

مقامِ تسخیر کے حامل:

اس کو علامہ اقبال نے فرمایا:

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

تو وہ لوگ جو چھپے گناہ کرتے ہیں وہ کرگس کی پرواز کرنے والے اور جو سو فیصد گناہوں سے بچ جاتے ہیں وہ شاہین کی پرواز کرنے والے لوگ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ سے سچی محبت ہوتی ہے۔

ہر کہ عاشق شد جمال ذات را
اوست سید جملہ موجودات را

''ہر وہ بندہ جو اللہ تعالیٰ کی ذات کا عاشق بن جاتا ہے، وہ باقی تمام موجودات کا سردار بن جاتا ہے۔''

دیکھنے میں یہ عام سا بندہ ہوتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اس کو مقامِ تسخیر عطا فرما دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا حکم اس بندے کے جسم پر چلتا ہے اور پھر اس بندے کا حکم آگے مخلوق پر چلتا ہے۔

واقعہ ۱:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مبارک زندگی کو دیکھ لیں! ان کا حکم زمین، آگ، ہوا اور پانی، ہر چیز پر چلتا تھا۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ زلزلہ آیا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زمین پر پاؤں مارا اور پاؤں مار کر کہا: ''اے زمین! تو کیوں ہلتی ہے؟ کیا عمر نے تیرے اوپر عدل قائم نہیں کیا؟'' یہ کہنے پر زمین کا زلزلہ ختم ہو گیا۔ تو زمین بھی ان کا حکم مانتی تھی۔ ایک دفعہ منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا: ''یَا سَارِیَۃُ! اَلْجَبَلَ'' اور ان کا یہ پیغام ہوا نے سینکڑوں میل دور تک پہنچا دیا۔ تو ہوا بھی ان کا حکم مانتی تھی۔

(البدایہ والنہایہ)

واقعہ ۲:

ایک دفعہ مدینہ منورہ کے باہر سے آگ نکلی اور مدینہ طیبہ کی طرف بڑھنے لگی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تمیم داری رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ جائیں اور آگ کو واپس لوٹا دیں۔ انہوں نے اپنی چادر ایسے پکڑی جیسے کوڑا ہوتا ہے اور آگ کو مارتے تھے، آگ جہاں سے نکلی تھی وہیں واپس چلی گئی۔ (البدایہ والنہایہ)

واقعہ ۳:

آگ نے بھی ان کا حکم مانا اور پانی نے بھی ان کا حکم مانا۔ مصر فتح ہو چکا تو امیرِ لشکر نے امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں خط بھیجا کہ مصر ہم نے فتح کر لیا

ہے، لیکن دریائے نیل کا پانی خشک ہے اور جب تک کسی جوان لڑکی کو اس میں پھینکا نہ جائے وہ نہیں چلتا، ہمارے لیے کیا حکم ہے؟" تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کاغذ کے ٹکڑے پر خط لکھ کر بھیجا جس میں لکھا: "اے دریائے نیل! اگر تو اپنی مرضی سے چلتا ہے تو نہ چل اور اگر تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتا ہے تو امیر المومنین اللہ سے دعا کرتا ہے کہ تجھے چلا دے۔" وہ رقعہ دریا میں ڈالا گیا، آج تک دریائے نیل چل رہا ہے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی عظمتوں کے پھریرے لہرا رہا ہے۔ (البدایہ والنہایہ)

دنیا کے لیے رول ماڈل انسان:

تو جو مومن کامل بن جاتا ہے اس کا حکم مخلوق پر چلتا ہے۔ اللہ اس کو مقام تسخیر عطا فرما دیتے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے محبوب لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو نمونے کے طور پر پوری دنیا میں پھیلاتے ہیں۔ ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو اس لیے دنیا میں پھراتا ہے کہ لوگ دیکھ سکیں کہ بھئی! انسان کیسے بناتا ہے؟ جیسے کوئی بندہ کوئی ماڈل بناتا ہے تو وہ سب کو دکھاتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی بندے کو دکھاتے ہیں کہ تم دیکھو میں ایسے بناتا ہوں۔ ؎

فرشتوں کو دکھاتا تھا بشر ایسے بھی ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ ان بندوں کو مقام تسخیر عطا فرماتا ہے۔ ان کی نمازیں بھی [illegible] حضوری والی اور مقام احسان والی نمازیں ہوتی ہیں۔

سنی نہ مصر و فلسطیں میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب
وہ سجدہ روح زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

مومن کامل بننے کی ضرورت:

آج اسی چیز کی کمی ہے کہ ہم سو فیصد گناہوں سے نہیں بچ پارہے۔ ہم بہت سارے گناہوں سے بچتے ہیں، مگر سب گناہوں سے نہیں بچتے۔ یہاں آنے کا مقصد یہ ہے کہ سب گناہوں سے بچنے کی نیت کریں اور آئندہ زندگی گناہوں سے پاک گزارنے کی کوشش کریں۔ جب ایسی زندگی گزاریں گے تو رب کریم کی ہم پر رحمت ہوگی۔

تیرے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے؟
عبث ہے شکوۂ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے؟

اگر انسان مومن کامل بن جائے اور اسے مقامِ تسخیر مل جائے تو جو اس کی زبان سے نکلتا ہے اللہ تعالیٰ اس بات کو پورا فرمادیتے ہیں۔ علامہ اقبال نے کتنے اچھے اشعار لکھے، فرمایا:

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تیری

سپر کہتے ہیں ڈھال کو، اور انسان کو اللہ نے عقل اس لیے دی کہ گناہوں سے بچ سکے، عقل ڈھال بن جاتی ہے، بندے کو گناہوں سے بچاتی ہے۔

عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تیری
مرے درویش! خلافت ہے جہانگیر تیری
ما سوی اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تیری
تو مسلماں ہے تو تقدیر ہے تدبیر تیری

مومن بندہ جو تدبیر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسی کو تقدیر بنا دیتے ہیں۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

تو ہم انسان کامل بننے کے لیے محنت کریں۔ سو فیصد سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک تمام گناہوں سے بچنے کی کوشش کریں۔

موحد بننا ہے یا مشرک؟

ایک گناہ کر لینا یا چند گناہ کر لیتا، یہ نفس کی پوجا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت ناپسند ہے۔ آج کے بعد جب نفس گناہ پر ابھارے تو اس وقت فوراً سوچے کہ میں نے نفس کی پوجا کر کے مشرک بننا ہے یا میں نے نفس کی مخالفت کر کے موحد بننا ہے اور اللہ کی بات مانی ہے؟ جب یہ سوچیں گے تو پھر آپ کے لیے گناہوں سے بچنا آسان ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں غفلت سے محفوظ فرمائے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کامل ایمان والی، شریعت و سنت والی زندگی گزارنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

اپنے آپ کو اللہ کے حضور پیش کریں!

کامل مومن بننا ہمارے لیے اگر مشکل ہے، ہم اگر یہ کام نہیں کر پاتے تو اللہ تعالیٰ کے لیے تو یہ آسان ہے۔ تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کریں کہ اے کریم آقا! ہم آپ کے عاجز و مسکین بندے ہیں، بہت کوششیں کرتے ہیں، ہر دفعہ توبہ کرتے ہیں، پھر توڑ بیٹھتے ہیں، پھر توبہ کرتے ہیں، پھر توڑ بیٹھتے ہیں، مگر میرے اللہ! ہم آپ کے یہاں اس گھر میں حاضر اس لیے ہوئے ہیں کہ ہم سو فیصد آپ کے فرمانبردار بن کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ اے اللہ! آپ ہم پر رحمت کی نظر فرما

دیجیے اور ہمارے من کو صاف کر دیجیے۔ ہمارے لیے اپنے آپ کو دھونا مشکل ہے، آپ کے لیے آسان ہے۔ اس کی مثال یہی ہے کہ ایک چھوٹا بچہ جو ہوتا ہے، وہ اپنے آپ کو گندا تو کر بیٹھتا ہے لیکن وہ اپنے آپ کو دھونے کے قابل نہیں ہوتا، تو پھر وہ رونا شروع کر دیتا ہے، ماما! ماما! شور مچانا شروع کر دیتا ہے، اور ماں جب اس کو دیکھتی ہے تو ماں نفرت نہیں کرتی، وہ سمجھتی ہے کہ بچہ ہے، نادان ہے، اس نے کپڑوں میں ہی گندگی کر دی، تو وہ اس کو لے جاتی ہے اور جا کر دھو لیتی ہے، خوشبو لگا لیتی ہے، پھر اس بچے کو سینے سے بھی لگا لیتی ہے۔ اسی طرح ہم بھی گندے ہو کر بیٹھتے ہیں تو ہم کم از کم اللہ! اللہ! اللہ! پکاریں تو سہی، کبھی تہجد پڑھ کر، کبھی نماز پڑھ کر، کبھی تلاوت کر کے کہ اے کریم آقا! ہم پر رحمت کی نظر فرما دیجیے! ہمارے لیے ستھرا ہونا مشکل ہے، آپ کے لیے تو ستھرا کرنا آسان ہے، آپ کی ایک رحمت کی نظر ہوگی اور بیڑا پار ہو جائے گا۔ اور ویسے بھی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (النور: ۲۱)

''اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک صاف نہ ہوتا، لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے۔''

تو جب اللہ ہی نے ستھرا کرنا ہے تو مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کا دروازہ کھٹکھٹائیں، اللہ کی بارگاہ میں عاجزی کریں، روئیں دھوئیں، معافی مانگیں کہ اے اللہ! ہم نے زندگی گناہوں میں گزار دی، اب تو بال بھی سفید ہو گئے، اے کریم آقا! اب تو اس نفس کی زندگی سے جان چھڑا دیجیے، اب تو ہمیں اپنا بندہ بنا لیجیے۔ ان شاء اللہ! جب ہم

یہ دعائیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نظر ہوگی اور اللہ تعالیٰ ہمارے لیے شریعت کے مطابق پوری زندگی گزارنا آسان فرمادیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مقامِ احسان والی زندگی نصیب فرمائے۔ اسی کا نام تصوف ہے اور یہی انسان بننے کی محنت ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا بننے کی توفیق عطا فرمادے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

عورت کی اللہ سے دوستی

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى أَمَّا بَعْدُ:

فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران: ۶۸)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں:

اللہ رب العزت کے ہم پر ان گنت احسانات ہیں۔ ان میں سے ایک احسان تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ہمیں انسان بنایا اور پھر ایمان عطا فرمایا۔ ایمان کا عطا کرنا اللہ رب العزت کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ پھر رب کریم نے ہمیں نبی ﷺ کی امت میں پیدا فرمایا۔ یہ وہ سعادت ہے جسے حاصل کرنے کے لیے پچھلی امتوں کے انبیاء دعائیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بن مانگے یہ نعمت عطا فرمائی، ہم جس قدر اللہ رب العزت کا شکر ادا کریں وہ کم ہے۔

بینائی کی نعمت:

پھر اللہ رب العزت نے ہمیں صحت و تندرستی والا جسم عطا کیا۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں جو ماں کے بطن سے جب پیدا ہوتے ہیں تو ان کی بینائی نہیں ہوتی۔ تو بینائی والی نعمت کتنی قیمتی ہے، جو اللہ رب العزت نے ہمیں عطا فرمائی۔۔۔!
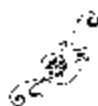
ہمارے جامعہ کے ایک طالب علم نے حفظ مکمل کیا تو وہ ملنے کے لیے آئے۔ آ کر کہنے لگے: حضرت! آج میں آپ سے ایک دعا کروانے کے لیے آیا ہوں۔ میں نے مسکرا کر کہا: حافظ صاحب! آپ جوان العمر ہیں، اب حفظ مکمل ہو گیا، تو آپ چاہتے ہوں گے کہ میری شادی کی دعا کر دیں۔ جب میں نے یہ کہا تو حافظ صاحب کی آنکھوں سے آنسو آ گئے، میں بھی بہت حیران ہوا۔ میں نے پوچھا: کیا ہوا؟ کہنے لگے: حضرت! جس ہستی کو میں اپنی ماں کہتا ہوں، آج تک اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا۔ آپ میرے لیے دعا کر دیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایک مرتبہ بینائی دے دیں، میں ماں کا چہرہ تو دیکھ سکوں۔ اس وقت احساس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں بینائی والی نعمت عطا فرمائی ہے، یہ کتنی قیمتی ہے! اور ہم اس نعمت کو Missuse (غلط استعمال) کرتے ہیں اور غیر محرم کو دیکھتے ہیں۔

سماعت کی نعمت:

کتنے لوگ ہیں جو ماں کے پیٹ سے بہرے پیدا ہوتے ہیں، وہ سن نہیں سکتے، اشاروں میں باتیں کرتے ہیں۔ اور عام طور پر جو بچہ بچپن سے بہرہ ہو وہ گونگا بھی ہوتا ہے۔ چونکہ وہ سن نہیں سکتا تو اس کی Vocabulary (ذخیرۂ الفاظ) نہیں ہوتی، لہذا وہ بول بھی نہیں سکتا۔ اللہ رب العزت نے ہمیں قوت سماعت عطا فرمائی ہے، لہذا ہم بات سنتے بھی ہیں اور بات کرتے بھی ہیں۔

ناک کے عضو کی نعمت:

چہرہ دیکھیں! انسان کے چہرے پر ناک ایک چھوٹا سا عضو ہے، لیکن اس ناک کے اندر اتنی خوبصورتی ہے کہ اس کے خوبصورت ہونے سے چہرہ خوبصورت ہوتا ہے، اور اس کے بدصورت ہونے سے چہرہ بدصورت بن جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے

یہ نعمت بھی ہمیں اچھی عطا فرمائی۔

زبان کی نعمت:

پھر زبان کو دیکھیے! اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں کلام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ ہم اپنے احساسات کو الفاظ کا جامہ پہنا سکتے ہیں، دوسرے سے بات کر سکتے ہیں۔ مجھے ایک مرتبہ ایک ایسے گھر میں جانے کا موقع ملا جہاں خاوند گونگا تھا، بول نہیں سکتا تھا، اس کے چار بچے تھے۔ میں ان کے گھر جا کر یہی سوچتا رہا کہ یہ چار بچوں کا باپ ہے، اپنی بیوی سے اظہار محبت کرنا اس کو کتنا مشکل محسوس ہوتا ہوگا۔۔۔! ہم دوسرے کا دل خوش کرنے کے لیے الفاظ کو کس طرح بنا سنوار کر کہہ لیتے ہیں، اور وہ اپنی بیوی سے صرف اشاروں سے باتیں کرتا تھا۔ اب دیکھیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، جو اللہ نے عطا فرمائی، تاکہ اس زبان کے ذریعے سے ہم قرآن پڑھیں، اور اس زبان کے ذریعے سے ہم دین کی باتیں کریں۔

ہونٹوں کی نعمت:

پھر اللہ رب العزت نے ہمیں ہونٹ عطا فرمائے۔ یہ ہونٹ دیکھنے میں چھوٹے سے ہوتے ہیں، مگر ان کے اوپر انسان کی خوبصورتی کا انحصار ہوتا ہے۔ اگر ہونٹ بے ڈھنگے ہوں تو باوجود گورے رنگ کے اور باوجود اچھی خوبصورت شکل کے انسان خوبصورت نظر نہیں آتا۔ اگر انسان کے ہونٹ نہ ہوتے تو انسان یوں نظر آتا جیسے مردہ بکری کے دانت نظر آتے ہیں، پھر انسان کی ساری خوبصورتی ختم ہو جاتی۔ چیز چھوٹی سی ہے، مگر اہمیت دیکھیے کتنی ہے۔

ہاضمے کی نعمت:

پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہاضمے کی نعمت عطا فرمائی۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں

سے ایک بڑی نعمت ہے۔ ایک آدمی کے پاس سو بھینسیں تھیں، لیکن وہ خود بھینس کا دودھ نہیں پی سکتا تھا، اس لیے کہ دودھ کو پینے سے اس کو ایک بیماری لگ جاتی تھی۔ کتنے لوگ ہیں جو Liquid Diet (سیال غذا) پر رہتے ہیں اور مسالہ دار چیز کھا ہی نہیں سکتے۔ ایک مرتبہ ایک عورت نے فون کیا کہ حضرت! میرے لیے دعا کریں، میرے معدے میں السر ہے، میں سارے مہمانوں کے لیے اچھے اچھے کھانے بناتی ہوں، مگر پچھلے سات سال سے میں فقط لیکویڈ پر گزارا کر رہی ہوں، ایک لقمہ بھی میرے منہ میں نہیں گیا۔ ہمیں اللہ رب العزت نے صحیح ہاضمے کی نعمت عطا فرمائی، ہم اپنی خواہش کے مطابق کھاتے پیتے ہیں، ہمیں چاہیے کہ ہم اس پر بھی اللہ رب العزت کا شکر ادا کریں۔

ہاتھوں کی نعمت:

پھر اللہ تعالیٰ نے ہاتھوں کی نعمت عطا فرمائی۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ جس سے ہم دنیا کے سارے کام کرتے ہیں...! ایک مرتبہ میں نے حرم شریف میں ایک بندے کو دیکھا کہ اس کے دونوں بازو کندھوں سے کٹے ہوئے تھے۔ وہ نماز پڑھنے کے لیے آگے صف میں بیٹھا ہوا تھا، میں یہی سوچتا رہا کہ یا اللہ! اس کے دونوں بازو ہی نہیں ہیں، یہ اپنے کپڑے کیسے پہنتا ہوگا؟ یہ واش روم جاتا ہوگا تو اپنی طہارت کیسے کرتا ہوگا؟ یہ جب سوتا ہوگا تو اپنی رضائی کمبل کو کیسے سیدھا کرتا ہوگا؟ اس کے دونوں ہاتھ ہی نہیں تھے۔ اس دن ایسی عجیب کیفیت ہوئی کہ میں بہت دیر اس بات پر روتا رہا کہ اے اللہ! آپ نے ہمیں یہ نعمتیں دیں، کاش کہ ہم ان نعمتوں کو آپ کے احکامات کی تعمیل میں استعمال کرتے...!

پاؤں کی نعمت:

پھر پاؤں کا ہونا کتنی بڑی نعمت ہے! ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے پاؤں

نہیں ہوتے۔ایک صاحب کے پاس جوتے نہیں تھے،وہ ظہر کی نماز کے بعد جب مسجد سے نکلے تو ان کو ننگے پاؤں دھوپ میں گرم فرش پر چلنا پڑا،پاؤں جل رہے تھے اور وہ اپنے دل میں یہ شکوہ کر رہے تھے کہ یا اللہ!میں تو تیری نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آیا اور آپ نے مجھے جوتے بھی نہ دیے؟ابھی ان کے دل میں یہ شکوے کی کیفیت تھی کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک نوجوان آرہا ہے اور اس کے پاؤں ہی نہیں ہیں اور وہ بیساکھیوں کے بل چل کر آرہا ہے۔ان کے دل پر چوٹ پڑی اور انہوں نے یہ دعا مانگی کہ یا اللہ!میں تو جوتے کی وجہ سے رو رہا تھا اور یہ شخص تو اپنے پاؤں سے ہی محروم ہے،آپ کا کتنا احسان ہے کہ کم از کم آپ نے مجھے ٹانگیں تو دی ہیں۔تو ہم اس چیز کا احساس نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتنی نعمتوں سے نوازا ہے۔

نعمتوں کا شکر کیسے ادا ہو؟

ایک انسان کو چاہیے کہ اللہ رب العزت کی ان تمام نعمتوں کا شکر ادا کرے۔شکر ادا کرنے کا اصل طریقہ یہ ہے کہ ان اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں استعمال کریں اور شریعت کے مطابق اپنی زندگی بنائیں۔

عورت کی شکر گزاری:

اللہ تعالیٰ عورت سے چاہتے ہیں کہ یہ اپنے فرائض ادا کرے،اپنے خاوند کو خوش رکھے،اپنے بچوں کی تربیت کرے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شکر گزار بندی بنے،اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرے۔

عقل سے شہوت کا کنٹرول:

رب کریم نے فرشتوں کو پیدا کیا،ان کو عقل تو دی،مگر شہوت نہیں دی۔اللہ تعالیٰ

نے جانوروں کو پیدا کیا، ان کو شہوت دی، مگر عقل نہیں دی۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اس کو شہوت بھی دی اور عقل بھی دی، مگر کام یہ دیا کہ تم اپنی عقل کی وجہ سے اپنی شہوت کو کنٹرول میں رکھو۔

اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو کوئی نہ کوئی حفاظتی ہتھیار دیا ہے:

ہر انسان کو اور ہر جاندار کو اللہ تعالیٰ نے حفاظت کے لیے کچھ نہ کچھ عطا کیا ہے۔ ایک تو اللہ نے انسان کی حفاظت کے لیے فرشتوں کو متعین کیا۔ اگر فرشتے انسان کی حفاظت نہ کرتے تو جنات انسان کو دنیا میں زندہ ہی نہ رہنے دیتے۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ فرشتے انسان کی حفاظت کرتے ہیں اور اسے جنات سے بچاتے ہیں۔ پھر اللہ رب العزت نے اپنی حفاظت کے لیے ہر چیز کو کچھ نہ کچھ عطا کیا، مثلاً:

○......شہد کی مکھی کو ڈنک دیا، جو آدمی بھی شہد کے چھتے میں سے شہد نکالنا چاہے تو مکھی اس پر حملہ کرتی ہے۔

○......بچھو کو بھی ڈنگ عطا کیا۔

○......اللہ تعالیٰ نے سانپ کو اپنے بچاؤ کے لیے زہر دیا۔

○......اللہ تعالیٰ نے شیر کو دانت عطا کیے، اسی طرح ہاتھی کو بھی اللہ تعالیٰ نے دانت عطا فرمائے۔

○......بکرے کو اللہ تعالیٰ نے سینگ عطا فرمائے، کوئی بکرے کے قریب جائے تو وہ سینگ سے اس کا مقابلہ کرتا ہے۔

○......بعض جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے دُم عطا کی۔

○......ہاتھی کو اللہ تعالیٰ نے سونڈ عطا کی۔

○......اونٹ کو اللہ تعالیٰ نے پاؤں کی مضبوطی عطا کی۔

○ ... ہم نے ایک ڈاکومنٹری میں دیکھا کہ ایک زرافہ تھا، اس کے اوپر شیر حملہ کرنے کے لیے بھاگا تو اس زرافے نے اپنی پچھلی دوٹانگوں سے اس زور سے اس پر حملہ کیا کہ شیر کی کھوپڑی ٹوٹ گئی۔

○ ... اسی طرح گدھے کے قریب جائیں تو وہ بھی اپنی حفاظت کی خاطر لاتیں مارتا ہے۔

○ ...... کسی جاندار کو اللہ تعالیٰ نے کانٹے عطا کیے۔ چنانچہ ایک جانور ہے جس کے جسم پر لمبے لمبے کانٹے ہوتے ہیں، اس کو کوئی بھی نقصان پہنچانے والا آئے تو وہ کانٹوں کو اس طرح پھیلا لیتا ہے کہ کوئی اس کو نقصان پہنچا ہی نہیں سکتا۔

○ ..... کچھوے کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہڈی کا خول عطا کیا، جو اس کے پورے جسم کے اوپر ہوتا ہے، جب وہ خطرہ محسوس کرتا ہے تو اس خول کے نیچے چھپ جاتا ہے۔

○ ......اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو سیلانیت عطا فرمائی۔ چنانچہ مجھے آج بھی یاد ہے کہ میں پانچویں کلاس کا طالب علم تھا کہ میرے بھائی مجھے دریا پر لے گئے۔ وہاں لوگ مچھلی پکڑ رہے تھے۔ میرا بھی جی چاہا کہ میں مچھلی پکڑوں۔ چنانچہ ایک صاحب نے مچھلی پکڑی، کافی بڑی مچھلی تھی۔ اس نے کہا کہ اچھا تم اس کو پکڑلو۔ جب میں نے اسے ہاتھ میں پکڑا تو مچھلی نے حرکت کی اور پانی میں چلی گئی، مجھے پتہ بھی نہیں چلا۔ وہ واقعی Slipry (چکنی) تھی کہ اس کو پکڑنے کے لیے طریقہ چاہیے تھا، مجھے چونکہ پتہ نہیں تھا تو میں نے اسے نرمی سے پکڑا اور وہ ہاتھ سے نکل گئی۔ "مچھلی کی طرح ہاتھ سے نکل جانا" یہ ایک ضرب المثل بن گئی ہے۔

○ ... اسی طرح ایک مچھلی ایسی بھی ہے کہ جو اپنی حفاظت کے لیے بجلی کا جھٹکا مارتی ہے۔ ہم نے امریکا میں ایک Aquarium (مچھلی گھر) میں دیکھا کہ ایک ایسی مچھلی تھی کہ جب وہ ہلتی تھی تو ۴۰۰ وولٹ کا کرنٹ پیدا ہوتا تھا۔ انہوں نے ایک بلب لگایا
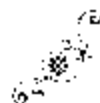
ہوا تھا، اس کے کرنٹ سے وہ غیب جاتا تھا اور پتہ چلتا تھا کہ اس مچھلی کے جسم سے برقی رو پیدا ہو رہی ہے۔

○ ...... ایک مچھلی کو اللہ تعالیٰ نے ڈنک والی دم عطا فرمائی۔ جو اس کے قریب آتا ہے وہ اس کو ڈنک لگاتی ہے اور بندہ مر جاتا ہے۔

○ .. اللہ تعالیٰ نے چوہے کو دن میں اور رات میں دیکھنے کے لیے نظر عطا فرمائی، تاکہ بلی سے ہر وقت بچ سکے۔

○ .. چھچھوندر کو اللہ تعالیٰ نے بچنے کے لیے بدبو عطا فرمائی۔ چنانچہ اس کے اندر بدبو اتنی ہوتی ہے کہ کوئی بھی اس کے قریب جانا پسند نہیں کرتا۔

○ .. ایک بچے نے مینڈک کو پکڑا اور پھر ایک دم چھوڑ دیا، کہنے لگا کہ جی اس کی وجہ سے میرے ہاتھ گیلے ہو گئے۔ تو پتہ چلا کہ مینڈک کا یہ Trick (چال) ہے کہ جو کوئی اس کو پکڑتا ہے اس کے ہاتھ پر وہ پیشاب کر دیتا ہے اور بندہ اس کو پھر متنفر ہو کر چھوڑ دیتا ہے۔ تو ہر کسی کو اللہ نے اپنی حفاظت کے لیے کچھ نہ کچھ عطا کیا ہے۔

ناموس کی حفاظت کے لیے عقل کا استعمال:

عورت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حفاظت کے لیے عقل عطا کی ہے۔ چنانچہ عورت کو چاہیے کہ وہ اپنی عقل کی وجہ سے سوچے اور اپنی جان اور اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرے۔ یہ عقل ایک ڈھال ہے، جو انسان کی عزت و آبرو کو بچا سکتی ہے۔ جو لڑکیاں عقل استعمال نہیں کرتیں، وہ بڑی جلدی غیر محرم بندوں کا شکار بن جاتی ہیں۔

اللہ رب العزت نے عورت کو بہت بڑی خوبی دی ہے۔ کوئی مرد اس سے بات کرے تو اس کو بڑی جلدی پتہ چل جاتا ہے کہ یہ کس انٹینشن سے بول رہا ہے؟ یہ کس نیت سے بات کر رہا ہے؟ یہ سمجھ اور فہم عطا کرنے کا مقصد یہی تھا کہ چونکہ اس نے اپنی

عزت و ناموس کی حفاظت کر لی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت زیادہ فہیم بنایا۔ اس کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ غیر مرد مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ تمہیں غیر مرد سے بات کرنے کا موقع پیش بھی آ جائے تو تم ذرا روکھے انداز میں بات کرو، آواز میں لوچ پیدا نہ کرو، دھیمی سریلی آواز بنا کر بات نہ کرو،

﴿فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ (الاحزاب: ۳۲)

''کہ کوئی ایسا شخص بے جا لالچ کرنے لگے جس کے دل میں روگ ہوتا ہے۔''

آج کل کی لڑکیوں کی بے عقلی:

آج کل بچیاں یونیورسٹی میں جاتی ہیں، سروں پر دوپٹے بھی نہیں ہوتے، خوشبوئیں لگائی ہوتی ہیں اور کپڑے بھی نہایت چست پہنے ہوتے ہیں، اور وہ یہ سمجھتی ہیں کہ اس طرح ہم دوسروں کو بہت خوبصورت نظر آتی ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتی ہیں کہ اس طرح جو غیر محرم مرد ہیں، وہ ہمارے بارے میں کتنی بری سوچ دل میں رکھتے ہیں اور حیلے بہانے بنا بنا کر وہ عورتوں کو اپنے دام میں گرفتار کرتے ہیں۔

عورت اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کیسے کرے؟

اس لیے انسان عقل استعمال کرے تو اس کے ذریعے سے وہ اپنی شہوت کو کنٹرول کر سکتا ہے۔ رب کریم نے انسان کو یہ نعمت عطا فرمائی، تاکہ اس کی وجہ سے اس کی عزت و آبرو کی حفاظت رہے۔ لہٰذا جب کوئی مرد گناہ کی دعوت کسی بھی طرح سے دے، مسکرا مسکرا کر دے، یا میسج لکھ کر دے یا باتیں کرے، ایسی کسی چیز کی طرف التفات ہی نہیں کرنا چاہیے۔ ؎

آرزوئیں خون ہوں یا حسرتیں پامال ہوں
اب تو اس دل کو تیرے قابل بنانا ہے مجھے

حفاظتِ ناموس کے لیے اللہ سے دعا:

دعا مانگنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جان، عزت، آبرو کی حفاظت کرنے میں مدد فرمائے۔

ایک بات ذہن میں رکھ لیجیے کہ نفسانی خواہشات کو انسان جتنا پورا کرے، یہ اتنا اور زیادہ بڑھتی ہیں۔ ان کو ختم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ان کو نظر انداز کریں اور ان کے ختم ہونے کی اللہ سے دعا مانگیں۔ جب اللہ سے دعا مانگیں گی تو اللہ تعالیٰ بچا لیں گے۔ انسان اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے۔ عورت کو چاہیے کہ عشاء کے بعد دو رکعت نفل پڑھ کر روزانہ اللہ سے دعا مانگے۔ اے اللہ! میری عزت و ناموس کی حفاظت رکھنا، مجھے کسی ایسی مشکل میں گرفتار نہ کرنا کہ جہاں میری عزت کو خطرہ ہو۔ جو اللہ تعالیٰ سے مانگیں گے تو اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔

اللہ کی رحمت سے توبہ کی توفیق:

انسان اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ مجھے چار چیزوں کے سمجھنے میں غلطی تھی، مگر میں نے قرآن پاک پڑھا تو مجھے پتہ چلا کہ میری غلطی کہاں کہاں پر ہے، مثلاً:

① میں یہ سمجھتا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہوں جس کی وجہ سے اللہ مجھ سے محبت کرتے ہیں، لیکن میں نے قرآن پاک میں پڑھا:

﴿يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ﴾ (المائدۃ: ۵۴)

"اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔"

تب مجھے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ بندے سے پہلے محبت فرماتے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں بندے کے دل میں اللہ سے محبت پیدا ہوتی ہے۔

② دوسری غلطی یہ تھی کہ میں یہ سوچتا تھا کہ انسان اپنے رب سے پہلے راضی ہوگا تو اس کے بدلے میں اللہ اس سے راضی ہوں گے۔ قرآن پاک پڑھا تو میری یہ غلطی بھی دور ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾ (البینۃ: ۸)

''اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔''

تو پہلے اللہ راضی ہوتا ہے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بندہ بھی پھر اپنے رب سے راضی ہو جاتا ہے۔

③ پھر وہ فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا تھا کہ میں اللہ کو پہلے یاد کرتا ہوں، پھر اللہ مجھے یاد کرتے ہیں، لیکن قرآن پاک پڑھا تو پتہ چلا کہ

﴿وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (العنکبوت: ۴۵)

''اور اللہ کا ذکر سب سے بڑی چیز ہے۔''

ہم جو اللہ کو یاد کرتے ہیں تو پہلے اللہ یاد کرتا ہے، تب ہم اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اس لیے انسان کو اللہ تعالیٰ دن میں جو نعمتیں عطا فرماتے ہیں، ان میں سب سے بہتر نعمت یہ ہوتی ہے کہ انسان کو اللہ اپنی یاد کی توفیق عطا فرما دیں۔

④ پھر فرمایا: میری غلطی تھی کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ میں پہلے اللہ کی طرف رجوع کرتا ہوں، پھر اللہ تعالیٰ میرے اوپر رحم فرماتے ہیں۔ جب قرآن پاک پڑھا تو اس میں بتایا گیا:

﴿ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا﴾ (التوبۃ: ۱۱۸)

''تو پھر اللہ نے ان پر رحم فرمایا، تاکہ وہ اللہ ہی سے رجوع کیا کریں۔''

اس سے پتہ چلا کہ اللہ کی رحمت پہلے متوجہ ہوتی ہے، پھر انسان کو توبہ کی توفیق ملتی

ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۸/۲۸۸)

تو یہ بات ذہن میں رکھیے کہ اللہ کی رحمت کی نظر پہلے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ بندے کو اپنا ئیت سے پہلے دیکھتے ہیں، پھر انسان کو توبہ کی توفیق ملتی ہے۔

اجتماع میں آنے کا مقصد:

اس اجتماع میں آنے کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ ہم زندگی کے پچھلے گناہوں سے سچی پکی توبہ کرلیں اور آئندہ اللہ کی بارگاہ میں فرمانبردار بن کر زندگی گزارنے کا ارادہ کرلیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کی نظر ہوگی، ہماری طرف سے نیک بننے کا ارادہ ہوگا، تو یہ محبت کا تعلق جڑ جائے گا۔

دونوں جانب سے اشارے ہو چکے
تم ہمارے ہم تمہارے ہو چکے

محبت کسے کہتے ہیں؟

محبت کہتے ہیں دل کا کسی کے ساتھ اتنا مشغول ہوجانا کہ دوسروں کی طرف انسان کا دھیان ہی نہ رہے، اس کیفیت کو محبت کہتے ہیں۔ کوئی دل میں اتنا سما جاتا ہے کہ اس دل میں کسی دوسرے کے لیے جگہ ہی نہیں رہتی۔ اور اس کی علامات یہ ہیں کہ انسان محبوب کی فرمانبرداری کرتا ہے اور اس کی بات ماننے میں انسان کو مزہ آتا ہے۔

"اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعٌ"

"محب جس سے محبت کرتا ہے اس کا مطیع ہوتا ہے۔"

اور پھر اس کی صفات کو اپنا کر خوش ہوتا ہے۔ بندے کو چاہیے اپنے اللہ سے محبت کرے اور اپنے اندر اللہ کی صفات کو پیدا کرے۔ چنانچہ فرمایا گیا:

((تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰہِ)) (تفسیر المظہری: ۱-۲)

''تم اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپناؤ۔''

۔ اللہ تعالیٰ پردہ ڈالنے والے ہیں تم بھی بندوں کے لیے پردہ ڈالنے والے بن کر رہو۔

۔ اللہ تعالیٰ غلطیوں کو جلد معاف فرما دیتے ہیں تم بھی دوسروں کی غلطیوں کو جلدی معاف کرو۔

۔ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہیں تم بھی رحیم و کریم بن کر رہو، دوسروں کے لیے عفو و درگزر کا معاملہ کرو۔

اللہ تعالیٰ حلیم ہیں تم بھی اپنے اندر حلم پیدا کرو۔

اور یہ سوچیے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت بعد میں کرتے ہیں، پہلے اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کرتے ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے:

يَا بْنَ اٰدَمَ اِنِّیْ لَكَ مُحِبٌّ

''اے آدم کے بیٹے! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ بندے سے محبت پہلے کرتے ہیں، اس کے بعد بندے کو اللہ سے محبت کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔

اللہ بندے کا رزق بڑھاتے چلے جاتے ہیں:

اللہ تعالیٰ بندے کے اوپر اتنے احسانات کرتے ہیں کہ ہمیں تو ان کا پتہ بھی نہیں چلتا کہ کیسے کیسے احسانات ہیں؟ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ بندے کے رازق ہیں، تو وقت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ بندے کے رزق کے دروازے بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے، بچیاں اس نکتہ کو نوٹ کریں۔ دیکھیں! جب بچہ ابھی

جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو یہاں اس کے رزق کا ایک دروازہ ہوتا ہے، وہ تعلق جو ماں کے جسم کے ساتھ بچے کے جسم کا ہوتا ہے، وہ ایک نالی کے ذریعے ہوتا ہے جس کے ذریعے سے خون اس بچے کو مل رہا ہوتا ہے، غذا مل رہی ہوتی ہے اور بچہ اسی کے ذریعے سے ماں کے پیٹ میں پل رہا ہوتا ہے۔ تو گویا ماں کے پیٹ میں انسان کے رزق کا ایک دروازہ تھا۔

پھر جب وہ بچہ اس دنیا میں پیدا ہو گیا تو اب اللہ تعالیٰ نے وہ دروازہ بند کر دیا، ماں کے سینے میں دو پستان بنا دیے۔ پہلے ایک جگہ سے رزق ملتا تھا لیکن اس دنیا میں آنے کے بعد اب دو جگہ سے رزق ملنا شروع ہو گیا۔

پھر بچہ تھا تو دودھ پیتا تھا، اب بچہ بڑا ہو گیا تو ماں کے دودھ کے علاوہ باقی چیزیں بھی کھانے لگ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے رزق کے چار دروازے کھول دیے۔

ایک دروازہ لحمیات کا یعنی گوشت کا۔

... ایک اجناس کا یعنی گندم، دالیں، چاول وغیرہ۔

... اور ایک مشروبات کا، اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے وہ بھی بنائے ہیں۔

اور ایک ثمرات کا یعنی پھلوں کا۔

تو یہ چار طرح کا رزق انسان کو جوانی میں ملتا ہے۔

اور اس کے بعد اگر یہ نیکی کی زندگی گزار کر اس دنیا سے جائے گا تو جنت کے آٹھوں دروازے کھلیں گے یعنی رزق کے آٹھ راستے جنت میں اس کو مل جائیں گے۔ تو دیکھیں! وقت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کس قدر اپنی نعمتیں اس بندے پر بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔

بندے کو چاہیے کہ اپنے اللہ کا فرمانبردار بن کر زندگی گزارے۔ اللہ تعالیٰ بہت رحیم و کریم ہیں، وہ بندے کو اپنی نعمتوں میں خوش دیکھنا چاہتے ہیں، اپنی نعمتوں سے

ان کی برائیاں انہیں گھیر لیتی ہیں تو ایسے لوگ ہی دوزخ کے باسی ہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ چھوٹی موٹی غلطی پر اللہ تعالیٰ بندے کو رسوا نہیں کرتے، جب بندہ غلطیوں میں گھر جاتا ہے اور چوبیس گھنٹے وہ غلطیاں ہی کرتا رہتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ (ایسے لوگ ہی دوزخ کے باسی ہیں)۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ ہم دنیا میں اپنے گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں۔

ایک نیکی پر جنت:

قیامت کا دن ایسا دن ہوگا جب ماں بھی کوئی ایک نیکی نہیں دے گی۔ ایک حدیث پاک ذرا توجہ سے سنیے! قیامت کے دن ایک بندہ ہوگا جسے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں بھی ہوں گی اور گناہ بھی ہوں گے مگر اس کی ایک نیکی کم ہوگی، یعنی ایک گناہ زیادہ ہوگا۔ رب کریم فرمائیں گے: اے میرے بندے! اگر تیرے پاس ایک نیکی اور ہوتی تو تیری نیکیاں اور گناہ برابر ہو جاتے، پھر میں اپنی رحمت سے تجھے جنت میں بھیج دیتا۔ اب چونکہ تمہاری ایک نیکی کم ہے، لہٰذا تم ایک نیکی کہیں سے لے کر آؤ۔ وہ نوجوان بڑی خوشی خوشی اپنے ماں باپ کی طرف جائے گا، اپنی ماں سے نیکی مانگے گا، لیکن ماں کہے گی کہ میں تمہیں ایک نیکی بھی نہیں دے سکتی۔ وہ کہے گا کہ میں جہنم میں چلا جاؤں گا، میرے اوپر رحم کھائیں اور آپ کے پاس تو نیکیاں زیادہ ہیں۔ ماں کہے گی: اگرچہ نیکیاں زیادہ ہیں مگر میں تمہیں اس وقت ایک نیکی بھی نہیں دے سکتی۔ پھر وہ بندہ اپنی بیوی سے نیکی مانگے گا، بیوی بھی انکار کر دے گی۔ پھر اپنے بھائی سے مانگے گا، وہ بھی انکار

کر دے گا، اور بیٹا بھی انکار کر دے گا۔ فرمایا:

﴿يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ﴾ (عبس: ۳۴-۳۵-۳۶)

''یہ اس دن ہوگا جب انسان اپنے بھائی سے بھی بھاگے گا، اور اپنے ماں باپ سے بھی، اور اپنے بیوی بچوں سے بھی۔''

جب سب لوگ انکار کر دیں گے تو وہ بڑا مایوس ہوگا کہ اتنے میرے Loved One (محبت والے) تھے اور آج ان کے پاس نیکیاں زیادہ بھی ہیں، یہ مجھے ایک نیکی دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اتنے میں اسے ایک بندہ ملے گا، وہ پوچھے گا: تم کیوں رو رہے ہو؟ یہ کہے گا: ایک نیکی کم ہے، اس وجہ سے میں رو رہا ہوں اور مجھے کوئی نہیں دے رہا۔ وہ کہے گا: چلو! مجھ سے ایک نیکی لے لو۔ جب وہ نیکی دینے کے لیے تیار ہو جائے گا تو قیامت میں اعلان کیا جائے گا کہ ایک بندے نے اس کو ایک نیکی دے دی جس کی وجہ سے اس کی نیکی اور گناہ برابر ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے جنت کا فیصلہ کر دیا۔

جب یہ اعلان ہوگا تو اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: اے جبرئیل! یہ کیا معاملہ ہے؟ کیسا اعلان ہے؟ جبرئیل علیہ السلام کہیں گے: اللہ! آپ کے ایک بندے نے اپنی ایک نیکی دوسرے کو دے دی۔ اللہ تعالیٰ اس نیکی دینے والے کو بلائیں گے اور فرمائیں گے کہ تو کیسا سخی ہے کہ آج کے دن تو نیکی دوسرے کو دے رہا ہے؟ وہ کہے گا: یا اللہ! میرے نامۂ اعمال میں ایک ہی نیکی تھی اور بچتی ہی نہیں۔ اور میں نے تو جہنم جانا ہی تھا، میں نے سوچا کہ میں تو جا ہی رہا ہوں، چلو میرے نیکی دینے سے یہ بچ جاتا ہے تو میں اس کو بچا دوں۔ اللہ فرمائیں گے: اچھا! اگر تو نے اپنی سخاوت دکھائی تو میں اس بات کا زیادہ مستحق ہوں کہ میں اپنی سخاوت دکھاؤں، مجھ جیسا سخی کوئی نہیں، چلو

میں نے تمہیں بھی جنت عطا فرما دی اور اس بندے کو بھی جنت عطا فرما دی۔

(تذکرۃ الواعظین بحوالہ جنت کے حسین مناظر، ص ۱۵۲)

رب کریم تو اتنے مہربان ہیں کہ بندے کے لیے بخشش کے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔

اللہ ایمان والوں کے دوست ہیں:

چنانچہ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا دوست بنائیں۔ جو قرآن مجید کی آیت پڑھی گئی:

﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران:۶۸)

''اللہ ایمان والوں کے دوست ہیں۔''

مفسرین نے ولی کے کچھ معانی لکھے ہیں:

ولی کا ایک معنی ہوتا ہے ''دوست''۔

ایک ہوتا ہے ''نگران''۔

ایک ہوتا ہے ''کارساز''۔

اور ایک ہوتا ہے ''مددگار''۔

ایک ہوتا ہے ''ساتھی''۔

اور ایک ہوتا ہے ''وارث''۔

ولی کے اتنے معانی ہیں۔ گویا جو اللہ کو اپنا ولی بنائے گا تو وہ دوست بھی اللہ کو بنائے گا، مددگار بھی... ساتھی بھی... وارث بھی۔ ہم اگر اللہ کو اپنا ولی بنا لیں گے تو اللہ تعالیٰ ہماری مشکلات کو آسان بھی فرما دیں گے۔

دوست اپنے دوست کا خیال رکھتا ہے:

دوست اپنے دوست کی مشکلات کا خیال رکھتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک ہاتھی نشین

تھا، اس نے کسی غریب کے ساتھ دوستی کر لی۔ تو غریب نے کہا کہ نہیں، میں آپ سے دوستی نہیں کر سکتا۔ ہاتھی نشین نے پوچھا: کیوں نہیں کر سکتے؟ اس نے کہا: اس لیے کہ میرا گھر چھوٹا سا ہے، تو ہاتھی پر چڑھ کر آئے گا، میرے گھر میں تو داخل بھی نہیں ہو سکتا۔ تو ہاتھی نشین نے کہا کہ آپ فکر نہ کریں، میں جس کو اپنا دوست بناتا ہوں، پھر اس کا مکان اونچا بھی کروا دیا کرتا ہوں تاکہ میرا ہاتھی وہاں جا سکے۔ تو جب بندہ اللہ تعالیٰ کو دوست بناتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے دنیا و آخرت کے کاموں کو سنوار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ ہم اس کو اپنا دوست بنائیں۔

اللہ تعالیٰ کو دوست بنائیے!

نوجوان بچیوں سے یہ بات ذہن میں رکھیں! ان کے ذہنوں میں یہ بات آتی ہے کہ میرا کوئی دوست نہیں، میں اکیلی ہوں، میں تنہا ہوں، میں بہت محسوس کرتی ہوں۔ بچی! اللہ کو دوست بنائیے، جب اللہ کو دوست بنائیں گی تو کسی کو محسوس کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہوگی۔ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ وہ پروردگار تمہارے ساتھ ہوگا تم جہاں کہیں بھی ہو گے۔ اور جتنا اللہ تعالیٰ وفا کرتے ہیں، اتنا کوئی دوسرا وفا نہیں کر سکتا۔ اس لیے مخلوق کو دوست بنائیں گی تو مخلوق کے ساتھ یہ دوستیاں نبھتی نہیں، مخلوق مطلب کی ہوتی ہے، مطلب نکلا تو پھر تو کون اور میں کون، الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو دوست بنائیے، جس نے اللہ کو دوست بنایا، اللہ تعالیٰ اس بندے کی دنیا و آخرت کے کاموں کو سنوار دیتے ہیں۔

پائیدار کا عشق بھی پائیدار ہے!

تو آج کی اس مجلس میں یہ بات اپنے ذہنوں میں بٹھا لیجیے کہ محبت کے قابل فقط اللہ کی ذات ہے، مرنے والوں سے اور مٹنے والوں سے محبت کیا کرنی!"

عشق با مردہ نہ باشد پائیدار
عشق را بر حی با قیوم دار

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرنے والوں سے اور مٹنے والوں سے کیا محبت کرنی؟ اگر کرنی ہی ہے تو محبت اس سے کرو جو حی و قیوم ہے، ہمیشہ زندہ رہنے والا اور باقی رہنے والا ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے ساتھ نبھا کر دکھاتے ہیں۔ تو ہم اللہ تعالیٰ کو اپنا دوست بنا لیں۔

چالیس سالہ گناہ گار کی اللہ سے دوستی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بنی اسرائیل کے لوگ آئے، کہنے لگے: اے اللہ کے نبی! بڑا عرصہ ہوا ہے بارش نہیں ہوئی، پانی کی قلت ہے اور جانور بھی پریشان ہیں، انسان بھی پریشان ہیں، آپ دعا کیجیے! حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ پوری ساری قوم کے لوگ باہر کھلی جگہ میں آئیں اور میں دعا کروں گا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ستر ہزار لوگ اکٹھے ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خوب دعا مانگی، اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر فریاد کی مگر بارش کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ جب کافی دیر دعا کرنے کے بعد بھی بارش نہ ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: اے اللہ! آپ کا ایک نبی آپ سے اپنی امت کے ساتھ مل کر دعا مانگ رہا ہے اور آپ کی طرف سے قبولیت کے آثار ظاہر نہیں ہو رہے۔ رب کریم نے فرمایا کہ اس قوم کے اندر ایک بندہ ایسا ہے جو چالیس سال سے میرے ساتھ گناہ کے ذریعے سے لڑائی کر رہا ہے، جتنی دیر وہ گناہ کر کے میرے ساتھ گویا لڑائی میں لگا ہوا ہے اور اس کی وجہ سے میں بارش نہیں برسانا چاہتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بڑا تعجب ہوا، انہوں نے اعلان کیا: اے لوگو! تمہارے اندر ایک ایسا بندہ ہے کہ جو چالیس سال سے ایک گناہ میں مبتلا ہے اور اللہ تعالیٰ اس

سے ناراض ہیں، اللہ اس کی موجودگی میں بارش نہیں برسانا چاہتے۔ میں اس بندے سے کہتا ہوں کہ وہ یہاں سے نکل جائے اور اس کی وجہ سے دوسروں پر جو مصیبت آئی ہوئی ہے، وہ ٹل جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جیسے ہی یہ اعلان کیا تو تھوڑی دیر کے بعد بارش ہونے لگ گئی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے حیران ہوئے کہ کوئی بندہ باہر نکلا بھی نہیں اور بارش بھی شروع ہو گئی اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس مجمع میں ایک بندہ ایسا ہے جو میرے ساتھ گناہوں کے ذریعے جنگ میں لگا ہوا ہے۔ تو رب کریم سے پوچھا: یا اللہ! یہ بارش کیسے ہوئی؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس بندے کی وجہ سے بارش روکی گئی تھی، اسی بندے کی وجہ سے بارش ہوئی۔ اے اللہ! اس کی وجہ سے بارش کیسے ہوئی؟ فرمایا کہ جب آپ نے اعلان کیا، اس بندے نے اپنے دل میں سوچا کہ اے اللہ! اگر میں اس وقت لوگوں کے درمیان سے باہر نکل کر جاؤں گا تو میری رسوائی ہو گی، میں کسی کو چہرہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔ اے کریم آقا! میں نے چالیس سال آپ کی نافرمانی کی آپ نے مجھے ڈھیل دے دی۔ اور اب میں آپ کی بارگاہ میں گناہوں سے توبہ کرتا ہوں، آپ قبول فرما لیجیے۔ جب اس اس طرح عاجزی کا ظہار کیا تو مجھے اس پر رحم آ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! اس مقبول بندے کی مجھے زیارت تو کروا دیجیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب وہ میری نافرمانی کرتا تھا تو اس وقت میں نے اس کا راز فاش نہ کیا۔ اب تو وہ گناہوں سے توبہ کر کے نیک بن چکا ہے تو میں کیسے اس کا راز آپ کے سامنے کھول دوں...؟ (کتاب التوابین لابن قدامہ، ص ۸۱)

بندے اور رب میں فرق:

قارون، بنی اسرائیل کا ایک بڑا امیر کبیر آدمی تھا۔ اس کے پاس اتنا مال و دولت

اور خزانے تھے کہ ان خزانوں کی چابیاں چالیس اونٹوں پر رکھ کر لے جائی جاتی تھیں۔ جب بنی اسرائیل کے اوپر زکوۃ کا حکم آیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعلان فرمایا کہ زکوۃ ادا کی جائے۔ قارون کو کہا گیا کہ وہ بھی زکوۃ دے۔ قارون اس بات پر بہت زیادہ غصہ میں آ گیا کہ مال میرا ہے اور میں موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر لوگوں میں کیوں لوٹا دوں؟ اب غصے کی وجہ سے وہ چاہتا تھا کہ میں کوئی ایسا کام کروں کہ مجھے زکوۃ نہ دینی پڑے۔ اپنے دوستوں میں بیٹھ کر اس نے مشورہ کیا، دوستوں نے اس کو مشورہ دیا کہ تم کوئی ایسا کام کرو کہ جس کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کی عزت خراب ہو جائے اور وہ لوگوں کی نظر سے گر جائے، پھر آپ کہنا کہ میں ان کی بات نہیں مانتا۔

چنانچہ اس نے ایک عورت کے ساتھ رابطہ کیا اور اس کو کہا کہ میں تمہیں اتنے اتنے پیسے دوں گا، تم مجمع میں کھڑے ہو کر یہ کہہ دینا کہ موسیٰ علیہ السلام نے میرے ساتھ حرام کاری کی ہے۔ چنانچہ عورت اگرچہ سمجھدار ہوتی ہے، مگر جذباتی بھی ہوتی ہے، بہت جلدی پھسل جاتی ہے۔ وہ عورت مال کے چند ٹکوں کی خاطر پھسل گئی اور کہنے لگی: بہت اچھا۔ چنانچہ ایک مجلس لگی، جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تھے اور بنی اسرائیل کے لوگ بھی تھے۔ قارون اور اس کے ساتھیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ آپ کے پروردگار نے آپ کو کس چیز کا حکم دے کر بھیجا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور صلہ رحمی کرو، اور اسی طرح زانی کی سزا کے بارے میں بتایا کہ اگر وہ شادی شدہ ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے۔ انہوں نے پوچھا کہ اگر یہ کام آپ کریں تو پھر کیا سزا ہوگی؟ فرمایا: میری بھی یہی سزا ہوگی۔ لوگوں نے فوراً کہا کہ آپ نے تو زنا کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے حیرانگی سے پوچھا: میں نے...؟ انہوں نے اس عورت کو بلایا اور اسے کہا کہ ساری بات

بتاؤ۔ اب وہ بھی بات کہنا چاہتی تھی، مگر اللہ تعالیٰ مددگار ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام
کا رعب ایسا تھا کہ وہ کوئی بات نہ کر سکی۔ پھر اسے دل میں شرمندگی ہوئی اور اس نے
موسیٰ علیہ السلام کے سامنے سارا کچھ کھول دیا۔ کہنے لگی کہ جی! مجھے تو قارون نے پیسے دینے
کا وعدہ کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ تم موسیٰ پر بہتان لگا دو۔ موسیٰ نے تو میرے ساتھ کوئی ایسا
کام نہیں کیا، وہ تو بالکل پاک صاف ہیں۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات سنی تو فوراً سجدے میں گر گئے اور رونے لگ
گئے۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: موسیٰ! کیوں روتے ہو؟ اے میرے پیارے موسیٰ!
میں نے تھوڑی دیر کے لیے زمین کو تمہارے ماتحت کر دیا، جو حکم آپ زمین کو دیں گے
وہ حکم زمین مانے گی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا: اے زمین! ان کو نگل جا۔ قارون
اور اس کے ساتھی ایڑھیوں تک زمین کے اندر دھنس گئے۔ پھر وہ پکارنے لگے اور
موسیٰ علیہ السلام سے معافیاں مانگنے لگے۔ موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ زمین کو کہا کہ تو ان کو پکڑ
لے۔ وہ گردن تک زمین کے اندر دھنس گئے۔ وہ پھر معافیاں مانگنے لگے۔ حضرت
موسیٰ علیہ السلام اتنے جلال میں تھے کہ تیسری مرتبہ حکم دیا: اے زمین! انہیں نگل جا۔
چنانچہ قارون اور اس کے ساتھیوں کو زمین نگل گئی اور وہ زمین میں دھنستے چلے گئے۔

جب قارون اور اس کے ساتھی زمین میں دھنس گئے تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام
پر وحی بھیجی کہ اے میرے موسیٰ! جب آپ نے زمین کو حکم دیا کہ ان کو نگل جا، زمین
نگل رہی تھی، اس وقت وہ آہ و فریاد کر رہے تھے، معافیاں مانگ رہے تھے، مگر آپ
نے ان کی ایک نہ سنی اور ان کو آپ نے پورا کا پورا زمین کے اندر دھنسا دیا۔ اے
میرے پیارے موسیٰ! اگر وہ اس وقت مجھ سے فریاد کرتے تو میں پروردگار اس وقت
بھی ان کی فریاد کو قبول کر لیتا اور انہیں معاف کر دیتا۔ (درمنثور: ۱ ۔ ۳۰۵)

صنم اور صمد میں فرق:

رب کریم تو اتنے مہربان ہیں کہ ان کی مہربانی کے بارے میں کوئی بندہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک بندہ بت پرست تھا، ایک دفعہ اس کو کوئی مسئلہ درپیش تھا تو اس نے کہا کہ میں آج رات بت کی عبادت کروں گا اور دعا مانگوں گا۔ چنانچہ وہ ساری رات "یا صنم!... یا صنم!" کہہ کر پکارتا رہا اور دعا مانگتا رہا۔ اس کے اوپر نیند کا غلبہ ہو گیا، اب جب نیند کا غلبہ ہوا تو نیند کے غلبے میں اس کے منہ سے "یا صنم!... یا صنم!" نکلنے کے بجائے "یا صمد!... یا صمد!" نکل گیا، "صمد" اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ جیسے ہی اللہ تعالیٰ کا نام اس کے منہ سے نکلا اللہ تعالیٰ نے فوراً فرمایا:

لَبَّيْكَ يَا عَبْدِيْ! أُطْلُبْ مَا تُرِيْدُ!

"اے میرے بندے! میں حاضر ہوں۔ مانگ جو چاہتا ہے؟"

فرشتے حیران ہو کر پوچھتے ہیں: اے اللہ! یہ بت پرست ہے، یہ صنم کو پوجنے والا ہے، یہ ساری رات صنم کو پکارتا رہا، نیند کے غلبے کی وجہ سے آپ کا نام اس کی زبان سے نکل آیا اور آپ فوراً متوجہ ہوئے اور جواب دیا:

لَبَّيْكَ يَا عَبْدِيْ! أُطْلُبْ مَا تُرِيْدُ!

"اے میرے بندے! میں حاضر ہوں۔ مانگ جو چاہتا ہے؟"

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو فرمایا کہ فرشتو! اس بندے نے بت کی پرستش کی، ساری رات بت کو پکارتا رہا اور بت نے کوئی جواب نہ دیا، اگرچہ میرا نام غفلت کی حالت میں اس کے منہ سے نکلا، لیکن اگر میں بھی جواب نہ دیتا، پھر مجھ میں اور بت میں کیا فرق رہتا!؟ (نزہۃ المجالس: ص۱۹)

تو رب کریم اگر اتنے مہربان ہیں کہ ایک بت پرست غفلت کی حالت میں ''یا صمد!'' کہہ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی بھی پکار کا جواب دیتے ہیں تو اگر وہ عورت جو اللہ سے محبت کرتی ہے، اللہ کی وجہ سے اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرتی ہے، اللہ کے محبوب ﷺ کی ایک ایک سنت پر محبت سے عمل کرتی ہے، ایسی نیک اور پاک صاف لڑکی اگر تہجد کے وقت میں اللہ کے سامنے ہاتھ اٹھائے گی اور دعائیں مانگے گی، اللہ تعالیٰ اس کی دعاؤں کو کیوں نہیں قبول فرمائیں گے!؟ اگر فرق ہے تو ہماری طرف سے ہے۔ عورت کو چاہیے کہ وہ اللہ کو اپنا وکیل بنائے...... اللہ کو اپنا نصیر بنائے...... اللہ کو اپنا ولی بنالے۔

دلوں من لئی تیری بن گئی:

ایک تجربے کی بات یہ ہے کہ عام لڑکیاں اپنے خاوند کو خوش کرنے کے لیے جتنے جتن کاٹتی ہیں، ہمارا یہ تجربہ ہے کہ اگر وہ اللہ کو منانے کے لیے اس سے آدھی بھی کوشش کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنا ولی بنالے۔ ان کو اللہ تعالیٰ اپنی مقبول بندیوں میں شامل فرمالے۔ چنانچہ کہتے ہیں: ''یک گیر محکم گیر'' ایک کو پکڑو اور مضبوطی سے پکڑو! آج عورتیں دل میں یہ فیصلہ کرلیں کہ ہم نے آج سے اپنے اللہ کے در کو پکڑ لیا۔ اب ہم نیک بن کر رہیں گی، اللہ کو راضی کریں گی۔

دلوں من لئی تیری بن گئی

''اے اللہ! میں نے دل سے یہ مان لیا کہ میں تیری بن گئی۔''

چونکہ میں نے دنیا کی بے وفائیوں کو دیکھ لیا، دنیا والوں کی بے وفائیوں کو دیکھ لیا، اب میں صرف آپ ہی کی طرف رجوع کرتی ہوں۔ میرے آقا آپ ہی ہیں...... میرے مالک، میرے خالق، میرے رازق آپ ہی ہیں۔ میں آپ ہی سے

محبت کرتی ہوں۔ اور اپنی ہر مصیبت میں آپ ہی کو مدد کے لیے پکارتی ہوں۔ جب ایک اللہ سے تعلق جوڑیں گی، پھر دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ کیسے کیسے اپنے بندوں سے نبھاتے ہیں اور ان کے لیے معاملات کو سیدھا کر دیتے ہیں۔

آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ عنہا کی فریاد:

آسیہ بنت مزاحم فرعون کی بیوی تھی۔ ایک مرتبہ فرعون کو پتہ چلا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام پہ ایمان لے آئی ہے، تو وہ بہت خفا ہوا اور اپنی بیوی کو اپنے گھر سے نکال دیا۔ اب بیوی کو اپنے گھر سے نکال دینا کوئی چھوٹی سزا نہیں ہوتی، اس عورت کی تو ایک دفعہ زندگی ہی تاریک ہو جاتی ہے۔ جب وہ اس کو ذلیل و رسوا کر کے گھر سے نکال رہا تھا تو اس وقت بی بی آسیہ نے اللہ سے یہ دعا مانگی:

﴿رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ﴾ (سورۃ التحریم)

اے اللہ! یہ فرعون تو مجھے اپنے گھر سے دھکے دے رہا ہے اور مجھے نکال رہا ہے اور میں بے گھر ہو رہی ہوں۔ اے اللہ! اب اس کے بدلے تو مجھے جنت میں گھر عطا فرما دینا۔ جب اس نے یہ دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے دعا کو بھی قبول کر لیا اور اس کا تذکرہ قرآن مجید میں بھی کر دیا۔ آج بھی عورتیں یہ آیات پڑھتی ہیں تو ان کو پتہ چلتا ہے کہ قرآن پاک میں تذکرہ ہے کہ ایک بندی نے دعا مانگی تھی، اللہ نے اس کو جنت میں گھر کا وعدہ کیا تھا۔ تو دیکھیں! اللہ تعالیٰ اپنی بندیوں کی فریادوں کو کیسے سنتے ہیں اور اس کو کیسے پورا کرتے ہیں...!

خولہ رضی اللہ عنہا کا مشکل میں اللہ کو پکارنا:

ایک اور خاتون کا قرآن مجید میں تذکرہ ہے، جو نبی علیہ السلام کی صحابیہ تھیں، ان کا

نام تھا خولہ بنت ثعلبہ۔ یہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گئی تھیں، بڑھاپے کی عمر میں مرد غصے میں جلدی آ جاتا ہے ور بات بات پر غصہ کرتا ہے حتی کہ بوا کو بھی گالیاں نکالتا ہے۔ چنانچہ کوئی بات ہوئی تو خاوند نے غصے میں اس کو کہہ دیا کہ تم میرے لیے اس طرح ہو جیسے میری ماں ہوتی ہے۔ اب اس زمانے میں جب کسی کو یہ الفاظ کہہ دیے جاتے تھے تو وہ عورت ان الفاظ کے کہنے سے اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی تھی۔ چنانچہ جب اس نے یہ الفاظ کہہ دیے تو خولہ بنت ثعلبہ پریشان ہو گئیں کہ میرے خاوند نے تو مجھے طلاق دے دی۔ اس نے سوچا کہ چلو میں جاتی ہوں اور جا کر ہائی کورٹ میں پیش کرتی ہوں۔ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اے اللہ کے حبیب! میں اپنے خاوند سے محبت کرتی ہوں اور میرا خاوند مجھ سے محبت کرتا ہے۔ پتہ نہیں اس کو کیا ہوا کہ غصہ میں آ کر اس نے مجھے یہ کہہ دیا ہے کہ تو میرے لیے میری ماں کے مانند ہے؟ تو اب بتائیں کہ میں اس کے لیے حرام ہو چکی ہوں یا نہیں؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں! تورات کے احکام جو چلے آ رہے ہیں ان کے حساب سے تم اس پر حرام ہو چکی ہو۔ وہ چاہتی تھی کہ نبی علیہ السلام اس حکم کو ختم فرما دیں اور بتا دیں کہ نہیں! تم حرام نہیں ہوئی۔ اس نے دوبارہ کہا کہ اے اللہ کے حبیب! اب میں بوڑھی ہو گئی ہوں، اگر وہ مجھے طلاق دے گا تو کوئی مجھ سے شادی کرنا بھی پسند نہیں کرے گا اور پھر میرے بچے بھی ہیں، میں ان بچوں کو کہاں لے کر جاؤں گی؟ اگر خاوند کے پاس چھوڑوں گی تو بچے بگڑ جائیں گے، اپنے پاس رکھوں گی تو میں بچوں کو خود پال نہیں کر سکتی۔ اے اللہ کے حبیب! میرا کیا بنے گا؟ میں کیسے زندگی گزاروں گی؟ اس نے جب دو تین دفعہ اصرار کیا تو اللہ کے حبیب ﷺ نے اسے صاف کہہ دیا کہ اب تم اپنے خاوند کے لیے حرام ہو چکی ہو، اس لیے اب تم اس کے ساتھ دوبارہ نہیں جڑ سکتی۔

جب نبی علیہ السلام نے بھی جواب دے دیا، اس وقت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا نے دل میں سوچا کہ بائی کورٹ کا فیصلہ بھی میرے خلاف آ گیا ہے، اب مجھے سپریم کورٹ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ لہذا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہیں صحن میں کھڑے کھڑے انہوں نے اللہ کو پکارنا شروع کر دیا۔ اے پروردگار! میں بوڑھی ہو گئی ہوں، نہ میرے پاس جوانی رہی، اگر اس نے مجھے طلاق دے دی تو کوئی مجھ سے شادی کرنے والا نہ ہوگا، میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اے اللہ! ان بچوں کو کون سپورٹ کرے گا؟ اور اگر میں یہ بچے اس کو دے دوں تو بچے بگڑ جائیں گے، ان کو ماں کی محبت نہیں ملے گی۔ اے اللہ! میں اپنا غم کس کے سامنے بیان کروں؟ تو میری مدد فرما۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ ابھی اپنے رب سے مناجات کر رہی تھیں کہ نبی علیہ السلام کے اوپر وحی کے آثار شروع ہو گئے۔ میں نے اس بوڑھی عورت کو چپ کروایا۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے چپ ہو گئی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے قرآن اتار دیا۔ فرمایا:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ إِلَى اللّٰهِ﴾ (المجادلہ: ۱)

"(اے پیغمبر!) اللہ نے اس عورت کی بات سن لی ہے جو تم سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث کر رہی ہے، اور اللہ سے فریاد کرتی جاتی ہے۔"

فقط اللہ ہی کو پکارنا ہے:

سوچنے کی بات ہے کہ ایک عورت نے اللہ سے اپنا تعلق مضبوط کیا اور ایسے مشکل وقت میں اللہ کو پکارا، اللہ اتنے کریم ہیں کہ اس کی پکار کو بھی سنا اور اس پکار کو قرآن پاک کا حصہ بھی بنا دیا۔ تو عورتوں کو یہ بات اچھی طرح دل میں بٹھا لینی چاہیے

کہ ہماری محبت فقط اللہ کے لیے مخصوص ہے اور ہمارا کام تو فقط اللہ ہے۔ ہم دنیا میں کسی کی مدد نہیں چاہتے، ہم دنیا میں کسی غیر کی طرف قدم نہیں بڑھانا چاہتے، ہم تو اللہ ہی سے مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں گے، دنیا میں ہمیں قدم قدم پر ہر شر سے ہماری حفاظت فرمائیں گے اور آخرت کی نعمتیں بھی بندے کو عطا فرمائیں گے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ﴾

(القصص: ۵)

مومنِ کامل کا مقام

بیان: محبوب العلماء والصلحاء، زبدۃ السالکین، سراج العارفین
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

تاریخ: 6 جون 2014ء ، شعبان ۱۴۳۵ھ

موقع: خطبہ جمعۃ المبارک

بمقام: جامع مسجد زینب، معہد الفقیر الاسلامی جھنگ

مومن کامل کا مقام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ:
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○
﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ﴾ (القصص: ۵)
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

اللہ کے خزانوں سے نفع لینے کا طریقہ:

دنیا کی مختلف چیزوں سے نفع اٹھانے کے طریقے مختلف ہوتے ہیں۔ پانی سے نفع لینے کے طریقے اور ہیں، آگ سے نفع لینے کے طریقے اور ہیں مٹی سے نفع لینے کے طریقے اور ہیں، ہوا سے نفع لینے کے طریقے اور ہیں۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں سے نفع لینے کے طریقے کیا ہیں؟ اس بات کو سمجھانے کے لیے انبیائے کرام تشریف لائے۔ چنانچہ نبی علیہ السلام نے آکر یہ بات سمجھائی کہ لوگو! اگر تم میری بتائی ہوئی تعلیمات کو اپناؤ گے، تو تم اللہ تعالیٰ کے لامحدود خزانوں سے سب سے زیادہ نفع اٹھانے والے بن جاؤ گے۔ اس لیے جو شخص کلمہ پڑھ لیتا ہے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دیتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کی غیبی قوتیں اس مومن کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔

کامیابی کا تعلق اعمال کے ساتھ:

کامیابی کا تعلق ملک و مال سے نہیں ہے۔ کامیابی کا تعلق نیک اعمال کے ساتھ ہے۔ اذان میں لوگوں کو بلایا جاتا ہے:

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ

''آیئے نماز کی طرف اور آیئے فلاح کی طرف۔''

مقصد یہ ہوتا ہے کہ نماز پڑھو گے، اعمال کرو گے تو تمہیں فلاح والی زندگی نصیب ہو جائے گی تم فلاح پانے والے بن جاؤ گے۔ فلاح کہتے ہیں کہ ایسی عزت جس کے بعد ذلت نہ ہو، ایسا قرب جس کے بعد دوری نہ ہو، اور ایسی کامیابی جس کے بعد ناکامی نہ ہو۔ یہ فلاح نیک اعمال کے ذریعے سے ملتی ہے۔

دین کے لیے طلب ضروری:

دنیا تو اللہ تعالیٰ بندے کو بن مانگے بھی دے دیتے ہیں، لیکن دین کے لیے طلب ضروری ہے، طلب نہ ہوگی تو دین نہیں ملے گا، یہ بے قدروں کو نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ﴾ (ھود:۲۸)

''تو کیا ہم اس کو تم پر زبردستی مسلط کر دیں جبکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو؟''

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم ہدایت کو تمہارے ساتھ چپکا دیں اور تم اس سے کراہت کرتے پھرو؟ تو اللہ کے ہاں دنیا کی کوئی وقعت نہیں، یہ مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ ہر ایک کو دے دیتے ہیں اور بن مانگے دے دیتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سلطنت مانگی، اللہ رب العزت نے انہیں انسانوں اور

جنوں کی بادشاہی عطا فرمادی اور اس کے لیے قرآن پاک میں ''وَسَخَّرْنَا'' کا لفظ کہہ دیا کہ ہم نے آپ کے لیے اسے مسخر کر دیا، آپ کو یہ بادشاہی دے دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اظہارِ طلب:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی کہ اے اللہ! میرے بھائی ہارون کو نبوت سے سرفراز کیجیے، تاکہ وہ میرے کام میں شریک ہو سکیں۔ مانگنے والے بھی جانتے تھے کہ یہ عجیب بات ہے، تو انہوں نے بھی فوراً یہ بات نہیں کی، بلکہ انہوں نے پہلے تمہید باندھی کہ اے اللہ! مجھے شرحِ صدر عطا فرما دیجیے۔

﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝﴾ (طٰہٰ: ۲۵-۲۸)

''موسیٰ نے کہا: پروردگار! میری خاطر میرا سینہ کھول دیجیے، اور میرے لیے میرا کام آسان بنا دیجیے، اور میری زبان میں جو گرہ ہے اسے دور کر دیجیے، تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔''

اب یہ بات کہنے کے بعد پھر کہا:

﴿وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي﴾ (طٰہٰ: ۲۹)

''اور میرے لیے میرے خاندان ہی کے ایک فرد کو مددگار مقرر کر دیجیے۔''

تو تمہید باندھ کر تفصیل کے ساتھ پھر نعمت مانگی کہ اے اللہ!

﴿هَارُونَ أَخِي ۝ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ۝﴾ (طٰہٰ: ۳۰-۳۱)

''یعنی ہارون کو، جو میرے بھائی ہیں، ان کے ذریعے میری طاقت مضبوط کر دیجیے۔''

اللہ رب العزت نے جب ان کو نبوت عطا فرمائی تو احسان جتلایا کہ

﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ﴾ (طٰہٰ:۳۷)

''اور ہم نے تم پر ایک اور مرتبہ بھی احسان کیا تھا۔''

معلوم ہوا کہ یہ دین اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے وہ نعمت ہے کہ جس کا شکر ادا کرنا ہمارے اوپر ضروری ہے، یہ بن مانگے عطا نہیں ہوتی۔ چنانچہ رب کریم نے ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت عطا فرمائی۔

اب یہاں ایک طالب علم کے ذہن میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت مل گئی تھی تو پھر بھائی کے لیے دعا مانگنے کی کیا ضرورت تھی؟ بس ان کو اپنا معاون بنا لیتے اور ان کی بھی تشکیل کر دیتے۔ بات یہ ہے کہ ایسا ہو تو سکتا تھا، مگر پھر ایسی صورت میں اللہ کی مدد صرف ایک آدمی کے ساتھ ہوتی، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ۔ اب چونکہ ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت مل گئی تو اللہ کی مدد ان کے ساتھ بھی ہوگئی۔ تو اب اللہ کی مدد دو کے ساتھ ہوگئی، دعا مانگنے کا یہ فائدہ ہوا۔

عالمِ اکبر اور عالمِ اصغر:

اگر ہم غور کریں تو یہ جہان جو ہمارے اردگرد پھیلا ہوا ہے اس کو عالمِ اکبر کہتے ہیں، یعنی بڑا جہاں۔ اور اگر ہم انسان پر غور کریں تو انسان عالمِ اصغر ہے۔ جو کچھ باہر ہے، اس کا کچھ نہ کچھ نمونہ ہمارے اندر بھی ہے۔ مثال کے طور پر:

- باہر چار جہتیں ہوتی ہیں: مشرق، مغرب، شمال، جنوب۔ انسان کی بھی چار سمتیں ہیں: دائیں، بائیں، آگے، پیچھے۔
- باہر بھی زمین کے اوپر درخت ہوتے ہیں، گھنے جنگل ہوتے ہیں، بعض جگہوں پہ تھوڑے درخت ہوتے ہیں، یا چھوٹی فصل ہوتی ہے۔ انسان کے جسم پر بال اس کے مصداق ہیں۔ کئی جگہوں پر بہت گھنے بال ہوتے ہیں اور کئی جگہوں پر بہت چھوٹے

چھوٹے ٹیلے ہوتے ہیں۔

⊙ پھر باہر کی دنیا میں پہاڑ ہوتے ہیں۔ انسان کے جسم میں ہڈی کی یہی مثال ہے۔ جیسے کندھے کی ہڈی یا سر کی ہڈی ہے، تو یہ گوشت میں سخت ابھری ہوتی ہیں جو پہاڑ کی مثال ہے۔

⊙ باہر میں انسان دیکھتا ہے کہ نہریں بہہ رہی ہیں اور یہ بہہ رہی ہیں۔ انسان کے جسم میں خون شریانوں کے اندر اسی طرح بہہ رہا ہے۔

⊙ انسان دیکھتا ہے کہ باہر میں کہیں نرم زمین ہوتی ہے، انسان کے جسم میں بھی کہیں کہیں نرم گوشت ہوتا ہے۔

⊙ باہر میں بارش برستی ہے، اور انسان کی بھی کبھی آنکھیں برستی ہیں۔

⊙ باہر میں پتھریلی زمین ہوتی ہے، چٹانیں ہوتی ہیں، انسان کے جسم میں دانت اس کی مثال ہیں۔ یہ دانت بھی ایسے ہیں جیسے پتھر لگے ہوئے ہیں۔

⊙ باہر میں آپ دیکھتے ہیں کہ شیشہ ہے۔ انسان کے جسم میں آپ غور کریں تو دیکھیں کہ آنکھیں بالکل شیشے کی بنی ہوئی نظر آتی ہیں، حالانکہ ہیں گوشت کی بنی ہوئی، لیکن ظاہری طور پر دیکھنے میں محسوس ہوتا ہے کہ شیشے کی بنی ہوئی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ باہر میں عالم کبیر ہے اور انسان کے اندر بھی عالم اصغر ہے۔

عالم اصغر کا حکم عالم اکبر پر:

اب دستور یہ ہے کہ جو آدمی اس عالم اصغر کے اوپر اللہ کے حکموں کو لاگو کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے حکم کو عالم اکبر پر لاگو کر دیتا ہے۔ چنانچہ جس بندے نے چھ فٹ کے جسم پر اللہ کا حکم لاگو کر دیا، سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک ---- وہ چھ فٹ کا پورا مطیع اور فرمانبردار بن گیا تو ایسے بندے کے لیے آسمان و زمین کی

چیزوں کو مطیع اور فرمانبردار بنا دیتے ہیں۔ ؎

ہر کہ عاشق شد جمال ذات را
اوست سید جملہ موجودات را

''ہر وہ بندو کہ جو اللہ تعالیٰ کے جمال کا عاشق بن جاتا ہے، وہ تمام مخلوقات کے لیے سردار بن جاتا ہے۔''

تو اللہ تعالیٰ نے مومن کو بڑا مقام عطا کیا ہے، کہ یہ اللہ کے سامنے تو جھکے پھر باقی ساری چیزیں اس کے سامنے جھکیں گی۔

قرآن مجید سے مثالیں:

اب اس کی مثال قرآن مجید سے بھی ملتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کم عمر ہیں، پردیس ہے، رشتہ دار بھی نہیں، دوست احباب بھی نہیں، غلامی کی زندگی ہے، مگر انہوں نے اپنے جسم پر اللہ کے حکموں کو نافذ کیا۔ نتیجہ کیا نکلا؟ بڑا خاندان کے اللہ نے انہیں عزتیں عطا فرمائیں۔ بالآخر اللہ نے انہیں وقت کی شاہی عطا فرمائی۔ وہ جو غلام تھے، اللہ نے انہیں تخت و تاج عطا فرما دیا۔ تو جو بندہ اپنے جسم پر اللہ کے حکم کو نافذ کر دیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس بندے کے حکم کو زمین پر نافذ فرما دیتے ہیں۔

بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دیا، نتیجہ کیا نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے چالیس سال تک ان کو من وسلویٰ کھلایا، انہیں کھانے کے لیے کچھ نہیں کرنا پڑتا تھا۔ کیا اللہ کی شان ہے کہ بندوں کو ایک جگہ بٹھا کر کچھ کیے بغیر آسمان سے ان کا رزق اتار دیا کرتے تھے! تو معلوم ہوا کہ انسان جب انبیاء علیہم السلام کے راستے پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو دنیا کی گدھا گاڑی میں استعمال نہیں فرماتے کہ مصیبتوں میں پڑتے پھریں،

بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے غیب سے انتظام فرما دیتے ہیں۔

نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تعاون کیا۔ اس کی وجہ سے اللہ رب العزت نے ان کے ساتھ ایسا خیر کا معاملہ فرمایا کہ ان کے لیے آسمان سے کھانے کی نعمت اتاری جس کو قرآن میں ''مائدۃ'' کہا گیا۔

تو جو پروردگار حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو بٹھا کر کھلا سکتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کو آسمان سے رزق عطا فرما سکتے ہیں، وہ اپنے محبوب ﷺ کی امت کو کیوں رزق عطا نہیں فرما سکتے؟ مگر فرق یہ ہے کہ ہم امتی بن کر تو دکھائیں۔ ہم زبان سے تو کلمہ پڑھتے پھریں، مگر جسم کے اعضاء سے اللہ کے حکموں کی خلاف ورزی ہوتی پھرے تو یہ بات تو پکی نہ ہوئی۔ ہم اپنی بات میں سچے تو نہ ہوئے۔ ہم تو اپنے عمل سے ثابت کرتے ہیں کہ ہم نافرمان ہیں۔ ایسی دوغلی زندگی اور منافقت کی زندگی پہ اللہ کی مدد نہیں اترتی۔

مومن کی سربلندی:

تو ہمیں چاہیے کہ ہم ایمان کے تقاضوں کو پورا کر کے مومن کامل بنیں۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

مومن جب مقام مومن حاصل کر لیتا ہے، پھر عالم اس کے اندر گویا گم ہو جاتا ہے۔

افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و اسرافیل کا صیاد ہے مومن

کبوتر اور اس قسم کے جو پرندے ہیں، ان کا شکار کرنا مومن کو نہیں جچتا۔ مومن تو جبریل علیہ السلام اور اسرافیل علیہ السلام کا شکار کرتا ہے، پھر وہ بھی اس کی مدد کو زمین پر اتر آتے ہیں۔ مومن کا مقام اللہ تعالیٰ نے بہت بلند کر دیا، اسی لیے شاعر نے کہا:

نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے
یہ عقل و دل ہیں شرر شعلہ محبت کے
وہ خار و خس کے لیے ہے یہ نیستاں کے لیے
رہے گا وادی نیل و فرات میں کب تک
تیرا سفینہ کہ ہے بحرِ بے کراں کے لیے

تو ہم نیل و فرات کے لیے پیدا نہیں ہوئے، یہ تو بہت چھوٹی بات ہے۔ ہمارا سفینہ تو بحرِ بیکراں کے لیے ہے۔ ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے لیے، اپنی عبادت کے لیے اور اپنی معرفت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔

دنیا مومن کے قدموں میں:

جب انسان کے دل سے دنیا کی محبت نکل جاتی ہے اور دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بھر جاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ یہ دنیا اس کے قدموں میں لا کر ڈال دیتے ہیں، اس سے سمیٹی نہیں جاتی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مال:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب مالِ غنیمت تقسیم ہوتا تھا تو مجھے کئی دفعہ اتنا ملتا تھا کہ میں سونے کی اینٹوں کو لکڑی کاٹنے والے کلہاڑے سے توڑا کرتا تھا۔ اب

غور کریں کہ لکڑی کاٹنے والے کلہاڑے سے کوئی گرام اور تولہ سونا تو نہیں توڑتے، وہ تو کلو گراموں میں سونا ہوگا جو ملا ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ مالِ غنیمت آتا تھا تو اتنا انبار لگا ہوتا تھا کہ اس کے پیچھے کھڑا ہوا آدمی نظر ہی نہیں آتا تھا۔ سونے چاندی کے تو ڈھیر لگ جاتے تھے۔ مگر صحابہ رضی اللہ عنہ کے دلوں میں اتنی محبت نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ عطا کرتے تھے اور وہ اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کر دیتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دستر خوان:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دستر خوان پر ایک وقت میں سات ہزار آدمی کھانا کھایا کرتے تھے۔ آپ بتائیے! آج کوئی امیر وزیر ایسا ہے جس کے دستر خوان پہ چھ سو بندے کھانا کھاتے ہوں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دستر خوان پہ سات ہزار آدمی ایک وقت میں کھانا کھایا کرتے تھے۔ کتنے اونٹ قربان ہوتے ہوں گے اور ان کے لیے کھانا پکتا ہوگا...!

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی میراث:

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جب فوت ہوئے تو ان کی میراث تقسیم کی گئی، وہ چھ کروڑ درہم تھی، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے دو لاکھ غریبوں میں تقسیم فرما دیے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہدایا:

حسن رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا۔ انہوں نے اس آدمی کو ایک لاکھ روپے ہدیہ عطا فرما دیے۔ اتنی بڑی رقم تھی لیکن چونکہ ان کے دل میں اس کی کوئی وقعت نہیں تھی اس لیے ایک لاکھ درہم اس کو ہدیہ میں پیش کر دیے۔

ایک بدو کا دستر خوان:

ایک بدو تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے رزق میں وسعت دی تھی، وہ اتنے مہمانوں کو کھانا کھلاتا تھا کہ اس کے چار اونٹ روزانہ ذبح ہوا کرتے تھے۔ سوچیں کہ چار اونٹ روزانہ ذبح ہوتے تھے تو کتنے بندے کھانا کھاتے ہوں گے.....؟ یہ ایک عام مسلمان کا دستر خوان تھا۔ اللہ نے اس کو دل بھی بڑا دیا تھا اور ان کو رزق بھی خوب عطا فرمایا تھا۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی دولت:

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ایک دن میں چالیس ہزار اشرفیاں اللہ کی راہ میں خرچ فرمائیں۔ اشرفیاں سونے کی بنی ہوتی تھیں، لہٰذا اس کی قیمت درہم سے بہت زیادہ ہوتی تھی، تو چالیس ہزار اشرفیوں کا ایک دن میں صدقہ کر دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک شوق یہ دیا تھا کہ وہ غلاموں کو آزاد کرواتے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں تیس ہزار گھرانوں کو آزاد کروایا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی صدقات وخیرات میں وسعت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ تیس ہزار اشرفیاں ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بھیجیں۔ جیسے ہی ان کے پاس آئیں، انہوں نے غریبوں کو بلایا اور ساری اشرفیاں صدقہ کر دیں۔ پھر انہوں نے تیس ہزار اشرفیاں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بھیجیں۔ انہوں نے بھی غریبوں کو بلایا اور پوری کی پوری صدقہ کر دیں۔ اس بات کا عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو بہت خوش ہوئے کہ واقعی ان کے دل میں ایمان کی لذت ایسی ہے کہ اب دنیا کی ان کے دل میں کوئی وقعت باقی نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ دس ہزار درہم ملے، انہوں نے یتیموں

کو بلوایا اور دس ہزار درہم صدقہ کر دیے۔ پھر اپنے لیے ضرورت پڑی تو کسی سے قرض لے کر ضرورت پوری کرنی پڑی۔ یعنی اپنی ضرورت کے لیے بھی باقی نہ رکھے، قرض لے کر اپنی ضرورت پوری کی اور دس ہزار درہم غریبوں پر صدقہ کر دیے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک دفعہ ایک لاکھ درہم ہدیہ ملے۔ انہوں نے مدینہ کی بیواؤں اور یتیموں کو بلایا اور پورا کا پورا مال ان میں صدقہ کر دیا۔ جب وہ رقم تقسیم کر رہی تھیں تو ان کی باندی حاضر ہوئی اور عرض کیا: ام المؤمنین! آج آپ روزے سے ہیں، افطاری کے لیے گھر میں کچھ بھی نہیں، تو کچھ پیسے مجھے بھی دے دیں تاکہ میں افطاری کا بندوبست کر لوں۔ فرمانے لگیں: خدا کی بندی! تو مجھے پہلے بتاتی، میں نے تو سارے پیسے تقسیم کر دیے۔ ایک لاکھ درہم اللہ کے راستے میں خرچ کر دیے اور اپنی افطاری کے لیے کوئی چیز ہے یا نہیں، یہ خیال بھی نہیں تھا۔

ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا کو بارہ ہزار درہم بھیجے۔ انہوں نے اسی طرح یتیموں اور بیواؤں کو بلوایا اور سارا کا سارا مال صدقہ کر دیا اور صدقہ کرنے کے بعد انہوں نے دعا مانگی: یا اللہ! امیر المؤمنین عمر بن خطاب کو توفیق نہ دے کہ وہ آئندہ مجھے مال بھیجیں۔ ایسے لگتا تھا کہ جیسے وہ مال کو سانپ بچھو سمجھتی تھیں اور اس سے اپنی جان چھڑانے کی کوشش کرتی تھیں۔

مومن مخلوق سے نہیں، اللہ سے لیتا ہے:

مومن کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ سے لیتا ہے اور مخلوق کو دیتا ہے۔ آج ہمیں اللہ سے لینے کا طریقہ آتا نہیں، اسی لیے ہم بس مخلوق سے لینے کی فکر میں لگے ہوتے ہیں۔ اس سے میں نے اتنا لینا ہے ..... وہ میرا حق نہیں دیتا..... وہ میری وراثت نہیں دیتا..... وہ فلاں نہیں دیتا..... آج ہمیں بس لینے ہی کی فکر ہے۔

مومن کی شان:

علامہ اقبال نے مومن کی شان بیان کی:

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب اس کی نگاہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

یہ مومن کی شان ہوتی ہے کہ گفتگو کرتے ہوئے بڑا نرم ہوتا ہے، رزم ہو یا بزم ہو، وہ پاک دل بھی ہوتا ہے اور پاک باز بھی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایسی زندگی عطا فرما دیتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی محبت کی چاشنی ہی ایسی ہے کہ بندے کا دل دنیا سے ہی ہٹا دیتی ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوبصورت بات کہی:

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی

اللہ تعالیٰ سے آشنائی کی جب لذت نصیب ہوجاتی ہے تو دنیا سے دل بیگانہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے انسان کو اپنے اندر ایمان کامل پیدا کرنا چاہیے۔ اسی کو علامہ اقبال نے ''خودی'' سے تعبیر کیا ہے، کہ انسان ایک اللہ کے سامنے جھکے اور مخلوق کے سامنے مت جھکے۔ وہ فرماتے ہیں:

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی رو میں ہے ساری خدائی

تو جو انسان خدا کا بن جایا کرتا ہے تو ساری مخلوق اس کی بن جایا کرتی ہے۔

دلوں کو جوڑنے والا دین:

اللہ رب العزت نے ہمارے دین کے اندر یہ خوبی رکھی ہے کہ یہ دلوں کو جوڑتا ہے۔ جیسے کاغذ کو گلیو کے ذریعے جوڑتے ہیں۔ لکڑی کو کیل کے ذریعے جوڑتے ہیں کپڑے کو سوئی دھاگے کے ذریعے جوڑتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دلوں کو کیسے جوڑ سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دین کے ذریعے دلوں کو جوڑا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جن دو بندوں میں دین ہوگا اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت پیدا فرما دیں گے۔ ان کے دلوں میں دین کی وجہ سے محبت پیدا ہو جائے گی۔ اللہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائیں گے، نیک اعمال کریں گے......

﴿سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾ (مریم:۹۶)

''خدائے رحمان ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا فرما دے گا۔''

تو جہاں آپ دیکھیں کہ محبتوں کی جگہ نفرتیں ہیں، عداوتیں ہیں تو سمجھ لیں کہ ایمان کمزور ہے، اگر ایمان قوی ہوتا تو آپس میں محبتیں ہوتیں۔

اصول کی بات سمجھیں کہ مخلوق لینے پڑ جائے تو نفرتیں بڑھتی ہیں اور مخلوق دینے پڑ جائے تو محبتیں بڑھتی ہیں۔ آج ہمارا لینے کا مزاج بن چکا ہے، اس لیے نفرتیں

ہیں۔ اگر ہمارا دینے کا مزاج بنا ہوا ہوتا تو ہمارے دلوں میں محبتیں ہوتیں۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپس میں کیسی محبتیں عطا فرما دی تھیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے حبیب!

﴿لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ﴾ (الانفال: ۶۳)

''اگر تم زمین بھر کی ساری دولت بھی خرچ کر دیتے تو ان کے دلوں میں یہ الفت پیدا نہ کر سکتے لیکن اللہ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا۔''

نیک اعمال سے محبتیں پیدا ہوتی ہیں:

تو مال و دولت سے محبتیں پیدا نہیں ہوتیں، بلکہ اعمال سے محبتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ہم اگر نیک اعمال کرنے والے بن جائیں تو اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں محبتیں پیدا کریں گے۔ چنانچہ دین اسلام محبتیں پھیلانے والا دین ہے۔ چنانچہ اگر ہم اعمال پہ غور کریں تو جتنے فرض اعمال ہیں سب میں محبتیں جھلکتی ہیں۔ مثال کے طور پر:

کلمہ اخوۃ سکھاتا ہے:

یہ کلمہ ہمیں اخوۃ سکھاتا ہے۔ کلمہ گو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

﴿وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا﴾

''اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔''

(صحیح بخاری، حدیث ۲۰۶۴، باب ما ینھیٰ عن التحاسد والتدابر)

نبی علیہ السلام کو اللہ نے بتادیا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ۱۰)

’’حقیقت تو یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں۔‘‘

تو معلوم ہوا کہ کلمہ آپس میں اخوت بڑھاتا ہے۔

نماز مساوات سکھاتی ہے:

پھر اس کے بعد نماز ہے، نماز انسان کو مساوات سکھاتی ہے۔ آپ دیکھیں امیر بھی اسی صف میں، غریب بھی اسی صف میں... افسر بھی اسی صف میں، ماتحت بھی اسی صف میں... گورا بھی اسی صف میں، کالا بھی اسی صف میں... تو یہ اللہ رب العزت کی رحمت ہے کہ جب وقت اذان ہوتا ہے تو

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

سب اللہ کے سامنے صف میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، امیر غریب کا فرق مٹ جاتا ہے۔ تو نماز ہمیں مساوات سکھاتی ہے۔

روزہ ہمدردی سکھاتا ہے:

روزہ ہمیں ہمدردی سکھاتا ہے کہ جب ہم بھوکے پیاسے رہیں گے تو ہمیں پتہ چلے گا کہ جس کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہیں ہوتا اس پر کیا گزرتی ہے اور اس کے بچوں پر کیا گزرتی ہے؟ تو ہمیں ان کے ساتھ ہمدردی ہوگی۔ ہمیں احساس ہوگا اور ہم انہیں کھلائیں پلائیں گے، ہم ان پر خرچ کریں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے کہ انسان دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرے۔

ہمدردی اللہ کو اتنی پسند ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت تھی، جس نے زنا

کا ارتکاب کیا تھا۔ اس نے ایک پیاسے کتے کو دیکھا اور اسے پانی پلا دیا۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے سب گناہوں کو معاف فرما دیا۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۳۳۲۱) ایک جانور کے ساتھ ہمدردی کرنے پر اگر اتنے بڑے کبیرہ گناہ کو معاف کیا جا سکتا ہے تو ہم اگر کسی انسان کے ساتھ ہمدردی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارے کتنے گناہوں کو معاف فرمائیں گے.....!

اور اسی طرح ایک دوسرا واقعہ ہے۔ بنی اسرائیل کی ایک بڑی عابدہ تھی۔ اس کی تہجد قضا نہیں ہوتی تھی، نمازیں پڑھتی تھی اور بڑی نیک تھی۔ ایک مرتبہ اس کا دودھ بلی آ کر پی گئی، اس کو اس پر بڑا غصہ آیا کہ یہ میرا دودھ پی گئی ہے۔ اس نے ایک دن بلی کو پکڑا اور بلی کو پنجرے میں بند کر دیا، اس کو کھانا پینا نہیں دیتی تھی، کہتی تھی کہ تو نے میرا دودھ پیا، اب میں تجھے پیاسا ماروں گی۔ جیسے ہی وہ بلی مری، اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے لیے جہنم کا فیصلہ فرما دیا۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۲۳۶۵) بتائیں! اس کی تہجد کہاں گئی؟ اس کی عبادتیں کہاں گئیں؟ اس کی تسبیحات کہاں گئیں؟ تو ایک جانور کے ساتھ اگر زیادتی کریں گے تو اللہ تعالیٰ سب عبادتوں کو هَبَآءً مَّنْثُوْرًا بنا دیں گے، خاک بنا کر اڑا دیں گے۔ اور اگر ایک جانور کے ساتھ ہمدردی کریں گے تو اللہ تعالیٰ زنا جیسے گناہ کو بھی معاف فرما دیں گے۔

معلوم ہوا کہ اللہ کی نظر میں ہمدردی بہت اہم ہے اور آج ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی نہیں ہوتی۔ کسی پر برا وقت آ جائے تو لوگ ہمدردی نہیں کرتے، بلکہ تنقیدیں کرتے ہیں۔ لوگ تبصرے کرتے ہیں، لوگ الٹا اس کی عزت پر باتیں کرتے ہیں، لوگوں کو صرف زبان چلانی آتی ہے۔ ان کی محبت میں ہمدردی میں شریک ہونا نہیں آتا۔

یہ ہمدردی اللہ کو اتنی پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک بندے کو خطاب کریں گے اور فرمائیں گے: اے میرے بندے! میں بیمار تھا تو نے میری بیمار پرسی نہیں کی۔ وہ بندہ کہے گا: یا اللہ! آپ تو بیماری سے بلند و بالا ہیں، آپ پروردگار عالم ہیں، آپ کیسے بیمار ہو سکتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اچھا! فلاں موقع پر تیرا پڑوسی بیمار تھا، اگر تو اس کی عیادت کرتا، ایسا ہی ہوتا جیسے تو نے میری عیادت کی۔ پھر اللہ فرمائیں گے: میں بھوکا تھا، تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ وہ کہے گا: یا اللہ! آپ تو کھانے سے بلند و بالا ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: فلاں موقع پر تیرا پڑوسی بھوکا تھا، اگر تو اس کو کھلاتا، ایسا ہی ہوتا جیسے تو نے مجھے کھلایا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اے میرے بندے! میں پیاسا تھا تو نے مجھے پانی نہ پلایا۔ بندہ کہے گا: اے اللہ! آپ تو پینے سے پاک ہیں، رب العالمین ہیں، میں کیسے آپ کو پانی پلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا فلاں بندے نے تجھ سے پانی نہیں طلب کیا تھا؟ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو ایسا ہی تھا جیسے مجھے پانی پلایا۔ (صحیح مسلم، حدیث: ۲۵۶۹، باب فضل عیادۃ المریض)

اس سے بڑا تصور ہمدردی کے بارے میں اور کوئی شخص پیش کر سکتا ہے۔ پروردگار عالم قیامت کے دن یہ فرمائیں کہ پڑوسی کو کھلانا پلانا قیامت کے دن اللہ کو کھلانے پلانے کے برابر ہے، پڑوسی کی مہمان نوازی کرنا یا اس کی تیمارداری کرنا اللہ تعالیٰ کی تیمارداری کے برابر ہے۔ تم اس سے اندازہ لگائیں کہ دین اسلام ہمیں سکھانا کیا چاہتا ہے!

زکوٰۃ غریب پروری سکھاتی ہے:

زکوٰۃ ہمیں غریب پروری سکھاتی ہے۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں جو محنت بھی کرتے ہیں مگر زیادہ کما نہیں سکتے۔ ان کی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ تو شریعت نے یہ

کہ بھئی! تمہیں جو اللہ نے رزق دیا ہے، اس میں غریبوں کا بھی حق ہے۔ لہٰذا سال کے بعد تم اپنے بچے ہوئے مال میں سے اڑھائی فی صد یعنی سو میں سے اڑھائی روپے غریبوں پر خرچ کرو، چونکہ جو مال ہمیں اللہ نے دیا، اس میں ہمارا بھی حق ہے، ہمارے رشتہ داروں کا بھی حق ہے۔ اور اس میں غریب مسلمانوں کا بھی حق ہے، ان پر بھی ہمیں خرچ کرنا چاہیے۔ انسان ان پر بھی خرچ کرے۔ تو زکوٰۃ کا مقصد غریب پروری ہے، کہ غریب کے ساتھ ہمدردی کی جائے اور اس کی مدد کی جائے۔ آج ہم اس کو بوجھ سمجھتے ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جو کروڑوں پتی ہیں، لیکن جب زکوٰۃ دینے کا وقت آتا ہے تو وہ اپنے مال کو ایک سے دوسرے نام پر ٹرانسفر کر دیتے ہیں، تاکہ ان کی ملکیت میں مال پر سال نہ گزرے اور زکوٰۃ نہ دینی پڑے۔ اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ یہ اللہ نے دیا تھا۔

ایک مرتبہ ایک صاحب سے میری بات ہوئی، وہ کہنے لگے کہ جناب! فیکٹری میں ہم اتنی محنت کرتے ہیں، پسینہ بہاتے ہیں، پھر اگر ہمیں مال ملتا ہے تو ہم اس مال کو غریبوں میں کیوں خرچ کریں؟ میں نے کہا کہ یہ بتاؤ کہ آپ کو یہ مال کیسے ملا؟ کہنے لگا کہ یہ مال میں نے اپنی محنت سے کمایا۔ محنت سے کیسے؟ کہنے لگا: میں نے اچھی تعلیم حاصل کی، وقت پر پلاننگ کی، Descion (فیصلے) اچھے کیے، میرا کام اچھا چلا، پھر مجھے پیسہ ملا۔ میں نے کہا: اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں عقل کس نے دی جس کی وجہ سے تم نے پڑھا اور فیصلے کیے؟ کہنے لگا: عقل تو اللہ نے دی۔ میں نے کہا: جس پروردگار نے تمہیں عقل دی اسی پروردگار نے یہ حکم بھی دیا کہ تمہارے اس کمائے ہوئے مال میں سے غریب کا بھی حق ہے، لہٰذا وہ دو۔ اگر اللہ عقل نہ دیتے یا عقل میں خلل ڈال دیتے تو تمہارا کاروبار چل پڑتا؟ کہنے لگا: نہیں۔ کہنے لگا: اچھا میں آئندہ زکوٰۃ دیا کروں

گا۔

سچی بات تو یہ ہے کہ انسان کے دل میں دوستوں کا ہی حق نہیں ہوتا دشمنوں کا بھی حق ہوتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ بعض عارفین نے فرمایا:

تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (تفسیر الشعراوی سورۃ الحجرات)

"تم اپنے آپ کو اللہ کے اخلاق سے مزین کرو۔"

یعنی ہم اپنے اندر اللہ کا خلق پیدا کریں۔ اب اللہ کے اخلاق کیا ہیں؟ وہ اپنوں کو بھی دیتا ہے اور پرایوں کو بھی دیتا ہے ...... وہ وفاداروں کو بھی دیتا ہے، وہ غداروں کو بھی دیتا ہے ...... وہ ایمان والوں کو بھی دیتا ہے، وہ کافروں کو بھی دیتا ہے۔ حالانکہ کافر اللہ کے دشمن ہیں۔ تو جس پروردگار کے خزانوں میں سے اپنوں کا بھی حصہ ہے، غیروں کا بھی حصہ ہے تو مومن بھی یہی سمجھے کہ میرے رزق میں میرا بھی حصہ ہے اور غیروں کا بھی حصہ ہے۔ دل بڑا کرو گے پھر اللہ تعالیٰ اپنے خزانوں کے دروازے کھول دیں گے اور خوب عطا فرمائیں گے۔ اس لیے دل چھوٹا نہ کریں زکوۃ کو خوب شوق سے ادا کرنا چاہیے کہ میں اپنے اللہ کے لیے اپنے اس مال کو خرچ کر رہا ہوں۔ اور شریعت کا احسان ماننا چاہیے کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا اور ہمیں اس حکم پر عمل کی توفیق نصیب ہوئی۔

حج اجتماعیت سکھاتا ہے:

حج ہمیں اجتماعیت سکھاتا ہے۔ ہمیں فرمایا گیا کہ تم روزانہ کی نمازیں گھر میں پڑھنے کے بجائے مسجد میں آکر پڑھو۔ کیوں کہا گیا ہے؟ کہ محلے کے لوگ بھی آتے ہیں تو تمہارا ان کے ساتھ Interaction (تعامل) ہوگا، تمہیں ان کے حال احوال کا پتہ چلے گا اور اس سے اجتماعیت پیدا ہوگی۔

پھر ہر ہفتے میں ایک دن تم محلے کی چھوٹی مسجد میں نماز پڑھنے کے بجائے جامع مسجد میں نماز پڑھو۔ چنانچہ جس مسجد میں جمعہ ہوتا ہے، وہاں بلایا گیا اور کہا گیا کہ جامع مسجد میں آکر تم جمعہ ادا کرو۔ آج تو شہر بڑے ہو گئے اور جگہ جگہ مسجدیں بن گئیں، پہلے ایسا نہیں ہوتا تھا۔ پہلے تو چند مسجدوں میں صرف روزانہ کی پانچ نمازیں ہوتی تھیں اور چند مسجدوں میں جمعہ کی نماز بھی ہوتی تھی۔ اور جمعہ کا جو خطبہ ہے، اس کا جو وعظ و نصیحت ہے، یہ اللہ کو بہت پسند ہے کہ میرے بندے آئیں اور وعظ و نصیحت سنیں۔ جو بندہ جلدی آجاتا ہے اس کو اللہ کی راہ میں اونٹ صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے، جو ذرا دیر سے آتا ہے اجر کم ہو جاتا ہے اور جو خطبہ کے آخر پر آتا ہے اس کو گویا اللہ کے راستے میں ایک انڈہ صدقہ کرنے کے برابر اجر ملتا ہے۔ یہ کیوں کہ جلدی آؤ اور بات کو سنو؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے نصیحت کی بات سنیں اور ان کے اندر سے بغاوت ختم ہو اور یہ اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف آجائیں۔ اب دیکھیے کہ ظہر کی نماز چار رکعت فرض پڑھی جاتی ہے، لیکن جب اللہ نے جمعے کے خطبے کے لیے بلایا تو فرمایا کہ تم بیان کو توجہ سے بیٹھ کر سنو، میں پروردگار اپنے فرض میں کمی کر دیتا ہوں، دو رکعت کا وقت دے دیتا ہوں، لہٰذا آج تم چار فرض کے بجائے دو رکعت فرض پڑھو۔ تو جس پروردگار نے اپنے فرض میں تخفیف فرما دی کہ میرے بندے آکر میری بات کو سنیں تو اس بات کی کتنی اہمیت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے اجتماعیت پیدا کریں۔

پھر فرمایا کہ اچھا اب جمعہ کی مسجد کی حد تک تو تم اکٹھے ہو گئے۔ اب تمہیں شہری سطح پر بھی اکٹھا ہونا چاہیے۔ چنانچہ سال میں دو دن | عید الفطر اور عید الاضحی | ایسے آتے ہیں کہ جن کے بارے میں فرمایا کہ اس دن تم عیدگاہ میں جا کر نماز پڑھو۔ آج تو شہر

بڑے ہیں، محلوں میں ہی عید کی نماز پڑھ لی جاتی ہے۔ پہلے وقتوں میں بستیاں ہوتی تھیں، تو بستیوں سے باہر ایک مرکزی جگہ پر عید پڑھا کرتے تھے، اس کو مصلی عید گاہ کہتے تھے۔ چنانچہ عید گاہ میں سارے شہر کے لوگ اکٹھے ہو جاتے تھے۔ تو شریعت نے شہر کے لوگوں کو سال میں دو مرتبہ اکٹھا کیا۔

پھر فرمایا کہ فقط شہر کے لوگوں ہی نے تو اکٹھا نہیں ہونا، پوری دنیا کے جو مسلمان ہیں، یہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، تم سب سال میں ایک مرتبہ اکٹھے ہوا کرو۔ اللہ! کہاں اکٹھے ہوں؟ فرمایا: حج کے موقع پر میرے گھر میں اکٹھے ہوا کریں۔ اس کو حج کہہ دیا گیا اور ساری دنیا کے مسلمانوں کو وہاں پر اکٹھا کر دیا گیا۔

معلوم ہوا کہ دین ہمیں اجتماعیت سکھاتا ہے۔

دین اسلام کی خوبصورتی:

قربان جائیں کہ اس دین میں کتنی خوبصورتی ہے! اگر ہم اس پر عمل کر لیں تو آپس میں محبت و پیار سے زندگی گزارنے والے بن جائیں۔ علامہ اقبال نے کیا خوبصورت بات ارشاد فرمائی!

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
کمال صدق و مروت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں

جو آپس میں محبت و پیار سے رہتے ہیں، اگر ان سے کوئی غلطی کوتاہی ہو بھی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دیتے ہیں، کہ یہ آپس میں محبت و پیار سے رہنے والے لوگ ہیں۔

اسلام ہمیں تسلیم سکھاتا ہے:

اسلام ہمیں تسلیم سکھاتا ہے۔ تسلیم کا معنی ہوتا ہے کہ بس دوسرے کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر دینا کہ میں آپ کی کسی بات کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ اس لیے فرمایا کہ اے ایمان والو!

﴿ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً﴾ (البقرۃ:۲۰۸)

''تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔''

تو مسلمان اسے نہیں کہتے جو کلمہ تو پڑھ لے اور پھر اس کے بعد نماز نہ پڑھے، روزہ نہ رکھے، زکوٰۃ نہ دے، یا گناہوں کے اوپر ڈٹا رہے۔ حقیقی معنوں میں مسلمان وہ ہوتا ہے جو اللہ رب العزت کے سامنے سر جھکا دے۔ مالک! آپ کا حکم اور ہم اس پر حاضر۔ ع

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک غلام لایا۔ میں نے اس سے پوچھ کر بھئی! تمہارا کیا نام ہے؟ کہتا ہے: جی! جو آپ پکاریں گے وہی میرا نام ہوگا۔ میں نے پوچھا: تمہارا کیا کام ہے؟ کہنے لگا: جو آپ حکم فرمائیں گے وہی میرا کام ہوگا۔ بھئی! کیا کھاؤ گے؟ جو آپ کھلاؤ گے، وہی میرا کھانا ہوگا۔ بھئی! کیا پہنو گے؟ جو آپ پہنائیں گے، وہی میرے کپڑے ہوں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ میری آنکھوں سے آنسو آ گئے کہ یہ ایک بندے کا غلام ہے اور یہ اپنے آپ کو اس طرح پیش کر رہا ہے کہ جو آپ پکاریں گے وہ میرا نام، جو آپ کھلائیں گے وہ میرا کھانا اور جو آپ پہنائیں گے وہ میرا لباس۔ اس سے پتہ چلا کہ ہمیں اپنے رب کے سامنے کس طرح اپنے آپ کو جھکا دینا چاہیے۔

مومن کامل کے چھ انعامات

چنانچہ جو بندہ سو فیصد اپنے جسم پر اسلام کو لاگو کر لیتا ہے، اپنی زندگی شریعت و سنت کے مطابق بنا لیتا ہے، اللہ تعالیٰ چھ طریقوں سے اس بندے کی مدد فرماتے ہیں۔ اس بندے کو چھ انعامات عطا فرماتے ہیں۔ یہ غور سے سننے والی بات ہے۔

پہلا انعام

اللہ کی نصرت شامل حال ہوتی ہے

پہلی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کی مدد ونصرت فرماتے ہیں۔

⊙ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاذْكُرُوٓا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ﴾

''اور وہ وقت یاد کرو جب تم تعداد میں تھوڑے تھے، تمہیں لوگوں نے (تمہاری) سرزمین میں دبا کر رکھا ہوا تھا، تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اُچک کر لے جائیں گے۔''

﴿فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُم بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (الانفال: ۲۶)

''پھر اللہ نے تمہیں ٹھکانہ دیا، اور اپنی مدد سے تمہیں مضبوط بنا دیا اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا کیا تاکہ تم شکر کرو۔''

تو اللہ کی ماننے والے بندے پر اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت آتی ہے۔

⊙ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ﴾ (محمد:۷)

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔''

قدموں کو جمادینے کا کیا معنی؟ کہ اللہ تعالیٰ دنیا بھی قدموں میں لا کر ڈال دیں گے، دنیا کی نعمتیں بھی عطا فرمادیں گے۔ تمہیں دنیا میں عزتوں بھری زندگی دیں گے۔ تمہاری ہیبت ہوگی... تمہارا وقار ہوگا... تمہارا دوسروں کے اوپر ایک رعب ہوگا تمہارے قدم زمین میں جمے ہوئے ہوں گے۔

⊙ ایک جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ﴾

(الصافات: ۱۷۱، ۱۷۲)

''اور ہم پہلے ہی اپنے پیغمبر بندوں کے بارے میں یہ بات طے کر چکے ہیں کہ یقینی طور پر ان کی مدد کی جائے گی۔''

قرآن میں مومن کے ساتھ غلبے کا وعدہ ہے۔ اگر تو مومن ہے اور غالب نہیں تو تیرے ایمان میں نقص ہے۔ یہ ہمارے ایمان کی کمی ہے کہ آج ہم دنیا میں ذلت کی زندگی گزارتے پھر رہے ہیں۔

⊙ دنیا میں انسان پر مشکلات آتی ہیں۔ بعض قوموں پر مشکلات آئیں، حتیٰ کہ انہوں نے انبیاء ﷺ سے پوچھا:

﴿مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ؟﴾ ''اللہ کی مدد کب آئے گی؟''

فرمایا:

﴿اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ﴾ (البقرۃ: ۲۱۴)

''ہاں لوگو! اللہ کی مدد قریب ہے۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرما دی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اللہ کی مدد:

صحابہ رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کے حکموں کو مانا، اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ﴾ (آل عمران: ۱۲۳)

''اللہ نے تو (جنگ) بدر کے موقع پر ایسی حالت میں تمہاری مدد کی تھی جب تم بالکل بے سروسامان تھے۔''

ایک طرف ایک ہزار چنے ہوئے اور لوہے میں ڈوبے ہوئے لوگ تھے۔ ہر بندے کے پاس تلواریں تھیں، تیر تھے اور نیزے تھے۔ تم نہتے ان کے سامنے کھڑے تھے اور تعداد 313 تھی۔ تم تو کمزور تھے، لیکن اللہ نے تمہیں غلبہ عطا فرمایا، اللہ نے تمہیں غالب کیا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ﴾ (التوبۃ: ۲۵)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد کی ہے اور (خاص طور پر) حنین کے دن۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم کی تو اللہ نے اتنی مدد کی کہ اپنے پیارے حبیب کو اللہ تعالیٰ نے بتا

دیا:

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝﴾ (الفتح:۱-۲)

"جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے اور تم لوگوں کو دیکھو کہ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔"

یہ اللہ کی مدد و نصرت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مومن کے پیغام کو دلوں تک پہنچا دیتا ہے۔

اللہ کی مدد کیسے اتری؟

چنانچہ اللہ تعالیٰ مومن کی مدد فرماتے ہیں اور مومن کا دفاع بھی کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات پر توجہ کیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی کیسے مدد فرمائی؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! تم اپنے دشمنوں کو نہیں جانتے، بلکہ......

﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ﴾ (النساء:۴۵)

"اور اللہ جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو۔"

تمہیں کیا پتہ کہ تمہارے ساتھ وہ کھا رہا ہے، پی رہا ہے اور اندر سے وہ پیغام رساں بندہ ہے۔ تمہیں کیا پتہ کہ وہ تو دوستی کی شکل میں تمہارے پاس موجود ہے...... تو جب اللہ جانتا ہے تو پھر اللہ ہی حفاظت فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾

(النساء:۱۴۱)

"ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں تک پہنچنے کا راستہ نہیں دے گا۔"

جیسے بلی مرغی کے بچے کو کھانا چاہتی ہے، تو مرغی جانتی ہے کہ میں کمزور ہوں، پھر

بھی پر چڑھ کر کھڑی ہو جاتی ہے کہ پہلے مجھ سے نمٹو پھر بچوں کو ہاتھ لگاؤ۔ اسی طرح ماں اپنے بچوں کی حفاظت کرتی ہے۔ کہتی ہے کہ آپ میرے بچے تک میری لاش سے گزر کر جا سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ بھی بندے کو یہی کہتے ہیں کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کافروں کو تم تک پہنچنے کا موقع ہی نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی، آسمان سے نصرت آئے گی، وہ تم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ تو دیکھو! اللہ تعالیٰ اپنی مدد کے لیے کیسے کیسے عجیب مہربانیاں کر دیتے ہیں!

جنگِ احزاب میں اللہ کی مدد:

چنانچہ ایک موقع پر تو یہ ہوا کہ مکہ کے لوگ چلے تھے اور ان کا پلان یہ تھا کہ بس ایک ہی دفعہ میں سارے عرب کے قبیلوں کو اکٹھا کرو، اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دو۔ چنانچہ نبی ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے مدینہ کے گرد خندق کھودی تھی اور مسلمان محصور ہو گئے تھے، حتیٰ کہ نڈھال سے ہو گئے تھے۔ وہ اتنے تھوڑے تھے کہ گنے جا سکتے تھے۔ اتنے کمزور تھے کہ چاروں طرف سے کفار نے گھیرا ڈالا ہوا تھا، اور یہ محاصرہ ایک مہینے سے کچھ زیادہ عرصہ رہا۔ اس وقت ایسا خوف دل میں ہوتا تھا کہ اگر ان کا کوئی بندہ خندق پھلانگ کر اندر آ گیا تو وہ تو مومنوں کو بکری کی طرح چیر پھاڑ دیں گے مگر اللہ نے ایمان والوں کی مدد فرمائی اور بالآخر وہ وقت آیا کہ جب کافر خود ہی واپس چلے گئے، ان کا آپس میں انتشار پیدا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں کیا خوبصورت انداز میں فرماتے ہیں:

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا (الاحزاب: ۲۵)

”اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصے کے ساتھ واپس لوٹا دیا۔ ان کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آیا۔“

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر یوں فرماتے تھے کہ اللہ نے ان کو غیظ وغضب کے ساتھ واپس لوٹا دیا۔

﴿لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا﴾

''ان کے پلے تھوڑا سا بھی نہیں آیا۔''

کیا ملا ان کو؟ جس مقصد کے لیے آئے تھے، وہ پورا تو نہ ہو سکا۔

ہم نے قریب کے زمانے میں بھی ایک مثال دیکھی کہ کفار ساری دنیا کو لے کر آ گئے تھے اور اللہ نے بالآخر ان کو واپس لوٹنے پر مجبور کر دیا۔ ان کے ہاتھ کیا آیا؟ یہ اللہ کی مدد ہوتی ہے ایمان والوں کے ساتھ۔

یہودِ مدینہ کے خلاف اللہ کی مدد:

پھر ایک موقع ایسا تھا کہ جس میں مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ یہ قلعے فتح کرنے تو ہمارے لیے بڑے مشکل ہیں، یہودیوں نے بڑے بڑے قلعے بنائے ہوئے تھے۔ ہمیں وہ عمارت دیکھنے کا موقع ملا، اس کی دیوار ایک میٹر سے زیادہ چوڑی تھی، پتھروں سے بنی ہوئی تھی۔ اب ایک میٹر دیوار کو تو توپ کے گولے بھی نہیں توڑ پاتے۔ اب وہ اپنے ان قلعوں میں بند تھے اور سمجھتے تھے کہ ہمارا کوئی کچھ بگاڑ ہی نہیں سکتا۔ اور مسلمانوں کا بھی یہ خیال تھا کہ ہم ان کو نہیں ہرا سکتے، لیکن اللہ کی مدد آ گئی۔ اللہ رب العزت نے ایمان والوں کی اس طرح مدد فرمائی کہ کافر کہتے تھے کہ ہمارے قلعے مسلمانوں کے راستے میں رکاوٹ بن جائیں گے اور ایمان والے بھی کہتے تھے کہ ہاں! ان کے قلعے ہمارے لیے رکاوٹ بن جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا﴾

''پھر اللہ ان کے پاس ایسی جگہ سے آیا جہاں ان کا گمان بھی نہیں تھا۔''

﴿وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ﴾

''اور اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔''

اب وہ آپس میں مشورہ کرنے بیٹھے اور کہنے لگے: یار! یہ مسلمان جہاں جاتے ہیں کامیابی ان کے قدم چومتی ہے، اگر یہ ہماری طرف آ گئے تو ہمیں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ انہوں نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ اپنا مال اور اپنی عورتیں اور بچے پہلے ہی یہاں سے نکال لو۔ چنانچہ انہوں نے اپنا سامان سمیٹنا شروع کر دیا اور اپنی عورتوں کو کسی اور جگہ منتقل کرنا شروع کر دیا۔ جب ایمان والوں کو پتہ چلا تو ایمان والے بھی وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے بھی ان کے بھاگنے میں ان کی مدد کی۔ فرمایا:

﴿يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ﴾

''وہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے بھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی اجاڑ رہے تھے۔''

پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ﴾ (الحشر: ٢)

''لہٰذا اے آنکھوں والو! عبرت حاصل کر لو۔''

جن چیزوں کو تم ناقابلِ تسخیر سمجھتے ہو جب میری مدد آتی ہے تو میں ایسے قلعوں پر بھی تسخیر عطا فرما دیتا ہوں۔

اللہ کی مدد والا پلڑا پوری کائنات پر بھاری:

اللہ کی مدد جس پلڑے میں ہو تو وہ پلڑا پوری کائنات پر بھاری ہو جاتا ہے۔ ہمیں اصل میں ایسی زندگی گزارنی چاہیے کہ اللہ کا غیبی نظام ہماری مدد کے لیے آ جائے۔ جب غیبی نظام مدد کے لیے آ جاتا ہے تو بندے کی کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی یہی عمل کیا تھا کہ انہوں نے اس طرح سے زندگی گزاری کہ اللہ کا غیبی انعام ان کی مدد و نصرت کے لیے آگیا تھا۔ جہاں جاتے تھے اللہ تعالیٰ ان کو عزتیں عطا فرماتے تھے اور کامیابیاں عطا فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ﴾

''کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔''

یعنی کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ اللہ نے چڑیوں سے باز مروا دیے۔

﴿وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۴۹)

''اور اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو ایمان والے ہیں۔''

جب اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ چڑیوں سے باز مروا دیتا ہے۔ اور آپ نے اپنی آنکھوں سے اپنی زندگی میں دیکھ بھی لیا ہے کہ ایک طرف نہتے لوگ ہیں اور ایک طرف پوری دنیا کا ساز و سامان لے کر آنے والے لوگ ہیں۔ اور اللہ نے ان کو پھر اسی طرح واپس اپنے گھروں میں لوٹا دیا۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ کی جب مدد آتی ہے تو اللہ رب العزت پھر بندے کو کامیابی عطا فرما دیتے ہیں۔

دوسرا انعام

پھر دوسری چیز جو اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں کہ ایمان والے کو عزتیں عطا فرماتے ہیں۔

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (المنافقون: ٨)

"حالانکہ عزت تو اللہ ہی کو حاصل ہے اور اس کے رسول کو اور مومنین کو۔"

حضرت عمر ؓ فرمایا کرتے تھے:

"إِنَّا قَوْمٌ أَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْإِسْلَامِ فَلَنْ نَلْتَمِسَ الْعِزَّةَ بِغَيْرِهٖ." (اتحاف الخیرۃ المہرۃ للبوصیری: ۲/۳۴۲)

"ہم ایسی قوم ہیں کہ اللہ نے ہمیں اس (دین) اسلام کی وجہ سے عزت دی ہے، پس ہم ہرگز اس (اسلام) کے غیر میں عزت تلاش نہیں کریں گے۔"

ذرا غور کیجیے کہ بیت المقدس کو ایمان والے شاید لڑائی جھگڑے سے فتح نہ کر سکتے، اس وقت کافروں نے مسلمانوں کو یہ بتایا کہ لڑنے کی ضرورت نہیں، تم اپنے امیر المومنین کو بھیجو، ان کی نشانیاں ہماری کتابوں میں موجود ہیں، اگر وہ نشانیوں پہ پورا اتریں گے تو ہم بیت المقدس کی چابیاں بغیر لڑے خود حوالے کر دیں گے، اور اگر وہ نشانیاں پوری نہ ہوئیں تو تم ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی ہمیں شکست نہیں دے سکتے۔ امیر لشکر نے عمر ؓ کو یہ پیغام دیا تو عمر ؓ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ جب چلے تو بعض صحابہ ؓ نے یہ مشورہ دیا کہ آپ مسلمانوں کے نمائندہ بن کر جا رہے ہیں اور آپ کا لباس پرانا ہے، اس میں تو چمڑے کے پیوند بھی لگے ہوئے ہیں، بہتر ہے کہ آپ ذرا اچھا لباس پہن لیں۔ انہوں نے اچھا لباس پہنا دیا۔ عمر ؓ نے لباس پہن تو لیا مگر تھوڑی دیر کے بعد اس کو بدل کر پرانا لباس پہن لیا۔ پوچھا گیا: حضرت! آپ نے یہ کیا کیا؟ تو حضرت عمر ؓ فرمانے لگے کہ مجھے پہلے کپڑوں میں جو نورانیت محسوس ہوتی تھی، ان نئے کپڑوں میں وہ نورانیت محسوس نہیں ہو رہی۔ چنانچہ وہی لباس پہن کر آپ چل پڑے۔

آپ کے ساتھ ایک غلام تھا، آپ نے غلام کے ساتھ باری متعین کی کہ میں ایک میل پیدل چلوں گا، اس دوران تم نے اونٹ پر بیٹھنا ہے۔ پھر تم پیدل چلنا اور میں اونٹ پر بیٹھ جاؤں گا۔ چنانچہ اسی طرح پورا سفر کیا۔ نتیجہ کیا ہوا کہ جب آخری باری تھی اس میں غلام نے اونٹ پر بیٹھنا تھا اور امیر المومنین نے اس کی مہار کو پکڑ کر چلنا تھا، اب غلام نے کہا کہ جی میں اپنا حق آپ کو دیتا ہوں، آپ اوپر بیٹھ جائیں۔ فرمانے لگے نہیں، میں تو دنیا میں انصاف کے لیے موجود ہوں اور انصاف ہی قائم کروں گا، لہٰذا آپ ہی اوپر بیٹھیں۔ اب غلام اونٹ پر بیٹھا ہے اور امیر المومنین اس کی مہار پکڑ کر چل رہے ہیں۔ جب لوگوں نے دیکھا تو کہا کہ تورات میں بیت المقدس کو فتح کرنے والے کی یہی نشانیاں تھیں کہ وہ آئیں گے، چہرہ منور ہوگا، کپڑوں پر پیوند لگے ہوں گے، غلام سواری پر بیٹھا ہوگا اور انہوں نے اونٹ کی مہار پکڑی ہوگی۔ کفار نے جب یہ دیکھا تو انہوں نے بغیر لڑے چابیاں عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیں۔ یوں عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے فاتح بیت المقدس بنا دیا۔

اللہ رب العزت ایمان والوں کو عزتوں سے نوازتے ہیں، جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پورا کر دیتے ہیں۔

تیسرا انعام

اللہ تعالیٰ امن عطا فرماتے ہیں

پھر اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور معاشرے میں امن عطا فرما دیتے ہیں۔ یہ تیسرا انعام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا﴾ (النور: ۵۵)

"اور ان کو جو خوف لاحق رہا ہے اس کے بدلے انہیں ضرور امن عطا کرے گا۔"

قریش مکہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ﴾ (القریش: ۴)

"جس نے بھوک کی حالت میں انہیں کھانے کو دیا اور بدامنی سے انہیں محفوظ رکھا۔"

عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اتنا امن تھا کہ یمن سے ایک عورت مدینہ آئی، اکیلی تھی، اس کی عزت و آبرو کا مسئلہ بھی تھا، جان کا بھی مسئلہ تھا اور مال و دولت کا بھی۔ اس نے سینکڑوں میل کا سفر اکیلے طے کیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اکیلے سفر کرنے کی وجہ پوچھی تو اس نے اپنا عذر بتا دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بتاؤ! اتنا لمبا سفر تم نے اکیلے کیا تو درمیان کے لوگوں کو تم نے کیسا پایا؟ اس نے کہا کہ امیر المومنین! مجھے یوں محسوس ہوا کہ یمن سے لے کر مدینہ تک ایک ماں باپ کی اولاد بستی ہے۔ ہر بندہ مجھے ایسے لگا جیسے سگا بھائی ہوتا ہے اور ہر عورت ایسے لگی جیسے سگی بہن ہوتی ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ امن عطا فرما دیتے ہیں۔ عزتیں محفوظ ہوتی ہیں، مال محفوظ ہوتا ہے، جان محفوظ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ﴾ (الانعام: ۸۲)

"(حقیقت تو یہ ہے کہ) جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کا شائبہ بھی آنے نہیں دیا، امن اور چین تو بس انہی کا حق ہے اور وہی ہیں جو صحیح راستے پر پہنچ چکے ہیں۔"

چوتھا انعام

مقام تسخیر نصیب ہوتا ہے

پھر چوتھا انعام اللہ تعالیٰ یہ عطا فرماتے ہیں کہ جس بندے کے سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک اللہ کا حکم پورا ہو جاتا ہے، اللہ اس کے حکم کو مخلوق پر پورا فرما دیتے ہیں۔ اس کی زبان سے بات نکلتی ہے، مخلوق اس کی فرمانبرداری کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾

(لقمان: ۲۰)

"کیا تم لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ نے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔"

زمین کی فرمانبرداری:

چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شان دیکھیے! مدینہ میں زلزلہ آتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے زمین پر پاؤں مارا اور کہا کہ زمین! کیوں ہلتی ہے؟ کیا عمر نے تیرے اوپر عدل قائم نہیں کیا؟ اور زمین کا زلزلہ ختم ہو جاتا ہے۔ (طبقات الشافعیہ الکبری: ۲/ ۳۲۴)

ہوا کی فرمانبرداری:

ایک مرتبہ صحابہ کا لشکر سینکڑوں میل دور تھا، عمر رضی اللہ عنہ ان کو کچھ بتانا چاہتے تھے، تو انہوں نے ان کو جمعے کے خطبے کے دوران کہا: یَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ... تو ہوا نے ان کی بات سینکڑوں ہزاروں میل تک پہنچا دی۔ (اسد الغابہ: [illegible])

آگ کی فرمانبرداری:

ایک مرتبہ ایک آگ نکلی جو مدینے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے تمیم داری رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ اس آگ کو واپس کرو۔ انہوں نے اپنی چادر کو کوڑا بنایا اور جیسے جانور کو کوڑا مارتے ہیں اور جانور اپنی جگہ پر جاتا ہے، انہوں نے آگ کو کوڑا مارا اور آگ سمٹتے سمٹتے اپنی جگہ پر واپس آ گئی۔ تو معلوم ہوا کہ یہ مقام تسخیر تھا کہ آگ، پانی، ہوا اور مٹی، سب نے عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کو مانا۔ (البدایہ والنہایہ: ۶/ ۱۵۳)

دریا کی فرمانبرداری:

دریائے نیل کو عمر رضی اللہ عنہ نے خط لکھا: اے نیل! تو اپنی مرضی سے چلتا ہے تو مت چل اور اگر اللہ کی مرضی سے چلتا ہے تو امیر المومنین اللہ سے درخواست کرتا ہے کہ تجھے چلائے۔ رقعہ ڈال گیا، دریا چلنا شروع ہو گیا اور آج تک وہ دریا کبھی بند نہیں ہوا۔ دریا چل رہا ہے اور عمر رضی اللہ عنہ کی عزتوں کے پھریرے لہرا رہا ہے۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۱۱۵)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب ایران کے دریا میں گھوڑے ڈالے تو گھوڑے پانی کو اس طرح عبور کر گئے کہ مورخین نے لکھا ہے کہ گھوڑے کے سم بھی گیلے نہیں ہوئے تھے۔ جب دریا عبور کر گئے تو سعد رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کسی کی کوئی چیز دریا میں رہ تو نہیں گئی؟ ایک نے کہا کہ جی میرا پانی کا پیالہ گر گیا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے دریا کو حکم دیا کہ پانی کا پیالہ واپس کرو۔ ایک لہر آئی اور اس مجاہد کا پیالہ کنارے کے اوپر ڈال دیا گیا۔ اللہ نے ان کے حکم کو پانی کے اوپر جاری فرما دیا۔ (البدایہ والنہایہ: ۷/ ۶۴)

ابو ریحانہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں۔ ایک مرتبہ سوئی دھاگے سے اپنی کتاب سی رہے

تھے۔ اللہ کی شان کہ وہ سوئی دریا میں گر گئی۔ اب وہ بڑے پریشان ہوئے کہ سوئی دریا میں گر گئی، کام پورا نہیں ہوا۔ تو انہوں نے دریا کو حکم دیا کہ بھئی! میری سوئی واپس کرو۔ کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے بعد ان کو سوئی پانی کی سطح پر تیرتی نظر آئی۔ سوئی تیرتی نہیں، لیکن جب اللہ کا حکم ہو جاتا ہے تو اللہ اس کو نیچے سے اوپر لے آتے ہیں۔ انہوں نے سطح پر سوئی کو دیکھا تو سوئی واپس اٹھا لی۔

زہر بے اثر:

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کافروں نے ایک شیشی دکھائی جس میں زہر تھا۔ کہنے لگے کہ ہم نے اپنی تلواروں کو یہ زہر لگایا ہے، اب اگر کسی بندے کو تلوار کا ذرا سا بھی زخم لگ گیا تو وہ بندہ نہیں بچے گا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے پڑھا:

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

اور زہر کی پوری شیشی پی لی۔ زہر کی پوری شیشی پینے کے بعد بھی ان کو کچھ نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے دکھا دیا کہ جو میرا بندۂ مومن ہوتا ہے، مخلوق اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتی، اللہ کی مدد اس کے ساتھ ہوتی ہے۔

درندوں کی فرمانبرداری:

عقبہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ان کو امیر المومنین نے بھیجا تھا کہ افریقہ میں جا کر اسلام کو پھیلائیں۔ وہ ایک وادی میں آئے، جو کہ بہت اچھی جگہ تھی، درخت تھے اور پانی بھی تھا۔ عام طور پر جہاں درخت ہوں، پانی ہو، تو وہاں درندے اور باقی سارے جانور بھی اکٹھے ہو جاتے ہیں، کیونکہ پانی جاندار کی ایک

اہم ضرورت ہے۔ وہ پچاس میل دور سے پانی ڈھونڈ کر وہاں آتے ہیں۔ امیر لشکر نے کہا کہ اس جگہ ہم شہر بسائیں گے۔ مقامی لوگوں نے کہا کہ جناب! یہاں شیر چیتے بھی ہیں، یہ درندے آئیں گے تو رات کو آپ کو چیر پھاڑ کر ٹکڑے کر دیں گے۔ امیر لشکر نے جب یہ سنا تو عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مَنْ كَانَ هٰهُنَا مِنَ الْحَيِّ فَلْيَتَحَوَّلْ فَإِنَّا نَازِلُوْنَ فَمَنْ وَجَدْنَاهُ قَتَلْنَاهُ.

''جو بھی جاندار یہاں موجود ہے اسے چاہیے کہ وہ یہاں سے چلا جائے، اب ہم یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں، ہم (اس کے بعد) اگر کسی کو دیکھیں گے تو اسے قتل کر دیں گے۔'' (مختصر تاریخ دمشق: ۵/۳۰۸)

یہ الفاظ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ وہ ان سے درخواست نہیں کر رہے تھے کہ Please (مہربانی) آپ جگہ چھوڑ کر چلے جائیں، بلکہ حکم دے رہے تھے، اور حکم دینے کے لیے انہوں نے بات کو پھر واضح کر دیا۔

چنانچہ ابن عساکر رحمہ اللہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

فَلَمْ يَبْقَ فِيْهَا شَيْءٌ مِمَّا كَانَ فِيْهَا مِنَ السِّبَاعِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ إِلَّا خَرَجَ مِنْهَا هَارِبًا بِإِذْنِ اللّٰهِ حَتّٰى إِنَّ السِّبَاعَ وَغَيْرَهَا لَتَحْمِلُ أَوْلَادَهَا.

(مختصر تاریخ دمشق: ۵/۳۰۸)

''کوئی درندہ وغیرہ وہاں نہ بچا، سب جانور خوفزدہ ہو کر اللہ کے حکم سے وہاں سے نکل پڑے، حتی کہ درندے اپنے بچوں کو اپنے منہ میں اٹھا کر لے جا رہے تھے۔''

شیرنی جب اپنے بچوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی ہے تو منہ میں اٹھاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے دیکھا کہ درندے اپنے بچوں کو منہ میں اٹھا کر اس جگہ کو چھوڑ کر جا رہے تھے۔ یوں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حکم کو مخلوق کے اوپر لاگو کر

دیتے ہیں۔

سمندروں پر حکومت:

چنانچہ عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اسلام کو پھیلاتے پھیلاتے گئے تو آگے Atlantic Ocean (بحر اوقیانوس) آگیا۔ انہیں یہ نہیں پتہ تھا کہ آگے آبادی کتنی دور ہے؛ تو انہوں نے گھوڑے کے پاؤں پانی میں ڈال کر یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ لَمْ أَخْرُجْ بَطَرًا وَلَا أَشَرًا وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ أَنَّمَا نَطْلُبُ السَّبَبَ الَّذِي طَلَبَهُ عَبْدُكَ ذُو الْقَرْنَيْنِ

"اے اللہ! میں فخرمند ہو کر اور شر کو لے کر باہر نہیں نکلا۔ اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ ہم اسی سبب کو تلاش کرنے کے لیے نکلے ہیں جس کو تلاش کرنے کے لیے ذوالقرنین نکلے تھے۔"

وَهُوَ أَنْ تُعْبَدَ وَلَا يُشْرَكَ بِكَ شَيْءٌ.

"اور وہ یہ ہے کہ فقط تیری عبادت ہو اور تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔"

اَللّٰهُمَّ إِنَّا مُعَانِدُونَ لِدِينِ الْكُفْرِ وَمُدَافِعُونَ عَنْ دِينِ الْإِسْلَامِ. فَكُنْ لَنَا وَلَا تَكُنْ عَلَيْنَا يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ. ثُمَّ انْصَرَفَ رَاجِعًا.

(الکامل فی التاریخ: ۲/۴۰۵، قادۃ فتح عبد المجید، مؤلف: علی الصلابی ۱/۲۶۰)

"اے اللہ! ہم دین کفر سے عناد رکھنے والے ہیں اور دین اسلام کا دفاع کرنے والے ہیں۔ اے عظمت والی اور کرم والی ذات! ہمارا معاون بن جا اور ہمارے مخالف کا معاون نہ بن۔ اس کے بعد وہ واپس ہو گئے۔"

خلافت ارضی مرد مومن کی میراث ہے:

اللہ رب العزت نے ان والدین کو عزتوں سے نوازا تھا۔ چنانچہ جس کو اللہ تعالیٰ مقام تسخیر عطا فرماتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ بعض وقت خلافت ارضی بھی عطا فرما دیتا ہے۔ وہ اس زمین کا ٹکڑا ایسے دیتا ہے جہاں وہ اللہ کے بندوں پر اللہ کا حکم لاگو کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ (النور: ۵۵)

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا اور ان کے لیے اس دین کو ضرور اقتدار بخشے گا جسے ان کے لیے پسند کیا ہے اور ان کو جو خوف لاحق رہا ہے اس کے بدلے انہیں ضرور امن عطا کرے گا۔''

ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۵)

''اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے ترقی کی، اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کا وارث بنا دیا۔

علامہ اقبال نے اپنی ایک نظم میں کیا اچھے اشعار کہے! لطف رکھتی ہیں زیادہ

مسلمانوں کے ایک جرنیل تھے۔ ایک مرتبہ اپنے سفر پر روانہ ہوئے تو راستے میں
ایک دریا آیا، کشتیوں سے دریا عبور کیا اور دوسرے کنارے پر جہاں دشمن سے لڑنا تھا،
وہاں پہنچ کر انہوں نے حکم دیا کہ سب کشتیوں کو جلا دیا جائے۔ اب یہ عجیب سا حکم تھا،
لوگ حیران تھے کہ ہم اگر پیچھے ہٹے تو ہمارا تو واپس جانے کا راستہ ہی بند ہو گیا۔ فارسی
زبان میں علامہ اقبال اس کو بڑے پیارے انداز میں فرماتے ہیں:

طارق چو بر کنارۂ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کارِ تو بنگاہ خرد خطاست

"جب اندلس کے کنارے پر طارق نے اپنی کشتیوں کو جلانے کا حکم دے دیا
تھا تو ان کو یہ کہا گیا کہ جناب! عقل کی نظر میں تو آپ کا یہ کام بڑی غلطی ہے۔"

دور ایم از سوادِ وطن باز چوں رسیم
ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا رو است

"ہم اپنے وطن سے اتنا دور ہیں، ہم وطن واپس لوٹ کر کیسے جائیں گے؟
شریعت کے رو سے بھی سبب کو ترک کرنا اچھی بات نہیں ہوتی۔"

خندید و دست خویش بہ شمشیر و برد و گفت
ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

"تو طارق بن زیاد نے ہنس کر اپنے ہاتھ کو تلوار کی دھار پر رکھا، اور یہ کہا کہ
ہر ملک جو میرے خدا کا ملک ہے، وہ میرا ملک ہے۔"

ساری خدائی اللہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ مومن کو بھی سارے جہاں کے اندر یوں
عزتیں عطا فرما دیتے ہیں۔ علامہ اقبال نے کیا خوبصورت بات کہی ہے:

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی

میرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک

ایک جگہ فرماتے ہیں:

عام ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

ایک جگہ مومن کا مقام واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کارکشا کارساز

''وہ دیکھنے میں بندۂ مومن کا ہاتھ ہوتا ہے، حقیقت میں وہ اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے۔''

چھٹا انعام

انسان مستجاب الدعوات بنتا ہے

پھر چھٹا انعام اللہ یہ عطا فرماتے ہیں کہ مومن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی اور ان کی زمین پر بارش ہوگئی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اپنی زمین سے باہر آیا تو باہر ایک قطرہ بھی پانی نہیں گرا تھا۔ صرف ان کی زمین پر اللہ نے بارش برسائی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک مخالف ان کے پاس آیا اور اس نے آکر بڑی بڑی باتیں کیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت جلال آیا اور آپ نے اس کے بارے میں چند الفاظ کہہ دیے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ چند الفاظ کہنے پر اس بندے کی بینائی اللہ نے فوراً زائل کر دی۔ اس کو اللہ نے نابینا کر دیا۔ مومن کے منہ سے الفاظ نکلتے ہیں تو اللہ

پورے کر کے دکھا دیتے ہیں۔

ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ اس امت کے بڑے اولیاء میں سے گزرے ہیں۔ ان کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ ایک بڑی کشتی میں سوار سفر کر رہے تھے۔ پانی میں طوفان آیا، ہوا چل رہی تھی، طوفان اتنا زیادہ آیا کہ کشتی ہچکولے کھانے لگ گئی۔ ہر بندہ خوفزدہ تھا اور ڈر رہا تھا کہ کشتی ہچکولے کھا رہی ہے، الٹ جائے گی اور سب بندے ڈوب کر مر جائیں گے۔ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ بڑے پرسکون ہو کر بیٹھے ہوئے تھے۔ کسی نے آ کر کہا کہ جی آپ بڑے پرسکون بیٹھے ہیں، سب لوگ اتنے خوفزدہ ہیں، جان کا مسئلہ بنا ہوا ہے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا کروں؟ کہنے لگے کہ جی ان کے لیے دعا کر دیں۔ تو ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی، کہا: اے اللہ! آپ نے اپنی قدرت تو دکھا دی، اب رحمت بھی دکھا دیجیے۔ اتنا کہنا تھا کہ طوفان ختم ہو گیا اور اللہ نے کشتی کو کنارے لگا دیا۔ تو اللہ تعالیٰ یوں مومن بندوں کی دعاؤں کو قبول فرماتے ہیں۔

قبرص کی فتح پر ابو درداء رضی اللہ عنہ کا رونا:

چنانچہ جن قوموں نے اللہ کے حکموں کو توڑا، اللہ نے ان کو ذلیل و رسوا کر دیا۔ جب قبرص فتح ہوا تو اس وقت حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیٹھے رو رہے تھے۔ ایک صاحب نے انہیں دیکھا تو کہا:

مَا يُبْكِيكَ فِي يَوْمٍ أَعَزَّ اللّٰهُ فِيهِ الْإِسْلَامَ وَأَهْلَهُ وَأَذَلَّ فِيهِ الْكُفْرَ وَأَهْلَهُ

"آپ کیوں رو رہے ہیں، ایک ایسے دن میں جس دن اللہ نے اسلام اور اہل اسلام کو غالب فرما دیا ہے اور کفر اور اہل کفر کو ذلیل کر کے دکھا دیا ہے۔"

آج تو خوشی کا دن ہے اور آپ بیٹھے رو رہے ہیں!!!

جب یہ پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

''اس سے پہلے یہ قوم کتنی طاقتور اور غالب تھی! ان کے پاس اتنا بڑا ملک تھا، انہوں نے اللہ کے حکم کو چھوڑ دیا جس کی وجہ سے اللہ نے آج ان کو یوں ذلت سے دوچار کر دیا۔''

(تاریخ طبری: ۲۰۳/۳، کامل فی التاریخ: ۸۹/۲ ")

تو جو بندہ اللہ کے حکموں کو چھوڑتا ہے اللہ اسے یوں ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں۔

سپین کی شکست میں عبرت:

مسلمانوں کو اللہ رب العزت نے سپین میں بہت حکومت دی تھی، مگر وہ آپس کی لڑائیوں میں مشغول رہے اور دین کی حفاظت نہ کر سکے۔ چنانچہ فرنگی نے ان کو وہاں سے نکال دیا۔ لکھا ہے کہ ''الحمراء'' کے نام سے بہت خوبصورت عمارت بنائی گئی تھی، آج بھی لوگ اس کو دیکھنے کے لیے یورپ کا سفر کر کے جاتے ہیں۔ جب مسلمان بادشاہ اپنی والدہ اور گھر والوں کو لے کر وہاں سے نکلا تو باہر نکل کر اس نے ''الحمراء'' کی عمارت کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کی ماں کہنے لگی کہ بیٹا! جس چیز کی حفاظت تم مردوں کی طرح نہ کر سکے، اب عورتوں کی طرح اس پر آنسو بہانے کی تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ نے عورتوں کو یہ جذبہ دیا تھا۔

بھوک و ننگ کی اصل وجہ:

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ایک بستی کی مثال دیتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے ظاہری کھانے پینے کی نعمتیں بھی دی تھیں اور امن بھی عطا کیا تھا، مگر انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی، اللہ کے حکموں کو توڑا، اللہ نے ان کو بھوک پیاس اور خوف کا لباس پہنا دیا۔ فرماتے ہیں:

﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً﴾

''اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے جو بڑی پرامن اور مطمئن تھی۔''

یعنی باہر کے دشمن کا خوف بھی نہیں تھا (امن تھا) اور اندرونی دشمن کا خوف بھی نہیں تھا (اطمینان تھا)۔

﴿يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ﴾

''اس کا رزق اس کو ہر جگہ سے بڑی فراوانی سے پہنچ رہا تھا۔''

﴿فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ﴾

''پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری شروع کر دی۔''

﴿فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾

(نحل: ۱۱۲)

''تو اللہ نے ان کے کرتوت کی وجہ سے ان کو یہ مزہ چکھایا کہ بھوک اور خوف ان کا پہناوا اوڑھنا بن گیا۔''

محترم جماعت! یاد رکھیے! اگر ہم اللہ کے حکم کو توڑیں گے اور نبی ﷺ کی سنتوں کو چھوڑیں گے تو اللہ ہمیں خوف اور بھوک وتنگی کا لباس پہنا دیں گے۔ آج ذرا غور کریں! کیا ہر بندے کے دل میں خوف ہے یا نہیں؟ ہر بندہ فقر وفاقہ کی شکایت کرتا ہے یا نہیں؟ اگر ہم فقر وفاقہ کی شکایت کرتے ہیں اور ہمارے اوپر خوف کا اس وقت غلبہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کے حکموں کو توڑتے پھر رہے ہیں۔ اللہ نے اس لیے ہمیں زمین میں بے وقعت بنا دیا ہے۔ ہمارا کام اس مصیبت اور پریشانی کا حل قرآن وحدیث کی روشنی میں بتا دینا ہے۔ ہم نے حل بتا دیا۔ جو فرد اس پر عمل کرے گا اللہ فرد کو عزتوں سے نوازیں گے۔ اگر اجتماعی طور پر ہم نیک بن جائیں گے، اللہ اجتماعی صورت پر ہمیں عزتوں سے نوازیں گے۔

حجاج بن یوسف کی نصیحت:

حجاج بن یوسف کو مسلمانوں میں ایک ظالم بادشاہ کہا جاتا ہے۔ اس نے محمد بن قاسم کو ایک خط لکھا تھا جس کو حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ لکھا ہے۔ اس نے محمد بن قاسم کو نصیحت کی تھی:

''پنج وقت نماز میں سستی نہ کرنا، تکبیر و قرأت، قیام و قعود اور رکوع و سجود میں اللہ رب العزت کے روبرو تضرع اور زاری کیا کرنا، زبان پر ہر وقت ذکر الٰہی جاری رکھنا۔ (یعنی اس وقت کا جو ظالم تھا یہ اس کی نصیحتیں ہیں، ایسے لگتا ہے جیسے کوئی شیخ طریقت نصیحت کر رہا ہے۔) اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کسی بندے کو شوکت و قوت نصیب نہیں ہو سکتی (ان کا بھی کتنا پکا یقین تھا کہ اللہ کی مدد کے بغیر کسی بندے کو شان و شوکت نصیب نہیں ہو سکتی)۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسہ کرو گے تو یقیناً مظفر و منصور ہو گے، یعنی تمہیں کامیابی ملے گی اور اللہ کی مدد بھی تمہارے ساتھ ہو گی۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّ بِلَا عَشِيْرَةٍ''

''جو شخص چاہے کہ اسے بغیر رشتہ داریوں کے عزت ملے۔''

وَالنَّسْلَ بِلَا كَثْرَةٍ

''اور بغیر کثرت کے نسل ملے۔''

وَالْغِنٰى بِلَا مَالٍ

''اور بغیر مال کے سخاوت ملے۔''

فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ ذُلِّ الْمَعْصِيَةِ إِلَى عِزِّ الطَّاعَةِ۔
''اسے چاہیے کہ وہ اللہ کی معصیت کی ذلت سے اللہ کی طاعت کی عزت کی طرف نکل جائے۔''

(تاریخ الیعقوبی: ۲/۲۰۲، علی بن ابی طالب، مؤلفہ: علی الصلابی: ۱/۴۲۶)

مردِ مومن علامہ اقبال کے اشعار میں:

ذلت اللہ کی معصیت سے ملتی ہے اور عزت اطاعت سے ملتی ہے۔ اسی کو علامہ اقبال نے کہا:

اعجاز ہے کسی کا یا گردشِ زمانہ
ٹوٹا ہے ایشیا میں سحرِ فرنگیانہ
اے لا الہ کے وارث! باقی نہیں ہے تجھ میں
کردارِ قاہرانہ انداز دلبرانہ
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ
تعمیرِ آشیاں سے میں نے یہ راز پایا
اہلِ جنوں کے حق میں بجلی ہے آشیانہ

پھر نچوڑ نکالتے ہیں:

یہ بندگی خدائی وہ بندگی گدائی
یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ

یعنی اللہ کے سامنے جھکنا، یہ خدائی ہے اور مخلوق اور نفس کے سامنے جھکنا، یہ گدائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بندۂ خدا بن کر جینے کی توفیق عطا فرمائے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاج ملوک
اور اگر پہچانے تو ہیں تیرے گدا دار و جم

اگر انسان اپنے مالک کو نہ پہچانے گا تو یہ بادشاہوں کا محتاج ہوگا، ان کا غلام ہوگا اور اگر اپنے مالک کو پہچانے گا تو وقت کے بادشاہ بھی تیرے گدا بن جائیں گے۔ فرماتے ہیں:

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا مقام پادشاہی
تیری زندگی اسی سے، تیری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی، جو نہ رہی تو روسیاہی

اگر تم ایک اللہ کے در پر جھکتے رہے تو یہ تو شاہی ہے اور اگر نفس کے سامنے جھکے تو یہ روسیاہی ہے۔ آج ہم نفس کے سامنے جھکتے پھرتے ہیں اور روسیاہی کی زندگی گزارتے پھر رہے ہیں۔ ہمارے شکوے ہی ختم نہیں ہوتے، شکایتیں ہی ختم نہیں ہوتیں۔ اسی لیے فرماتے ہیں: ؎

تو عرب ہے یا عجم ہے تیرا لا الہ الا
لغت غریب جب تک تیرا دل نہ دے گواہی

کاش! ہم اپنے دل پر محنت کریں اور اپنے دلوں کو ایمان کی دولت سے بھر لیں، تاکہ اللہ تعالیٰ ہماری دنیا کو بھی ہمارے لیے جنت کا نمونہ بنادے۔

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾

مجموعہ رسائل

حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی سند میں ایک عظیم شخصیت قدوۃ السالکین حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، جو اخذ حق ولایت، عبادت، ریاضت، تقویٰ و پرہیزگاری کے پیکر تھے۔ اس کتاب میں حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال و تعلیمات سے متعلق ایسے نایاب مخطوطات جن کو مغربی ممالک کی لائبریریوں سے بڑی محنت و دو کے بعد حاصل کیا گیا ہے، کا پہلی بار اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

(1) رسالہ صاحبیہ (حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق، عبادات، طور طریقے اور اقوال پر مشتمل مشہور رسالہ ہے، جو کہ حضرت ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے)

(2) رسالہ رتبۃ الحیات (انسانی زندگی اور اس کے مختلف درجات پر حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی جامع تحریر)

(3) رسالہ آداب طریقت (رسالے میں حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے آداب طریقت کو چار بنیادی ارکان پر تقسیم کرکے یک منفرد بیان فرمایا ہے)

(4) رسالہ انسان و کائنات (حقیقت انسان و کائنات کے بارے میں حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر و جامع تحریر)

(5) رسالہ در بیان توحید (حقیقت توحید کے بارے میں حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا نہایت عمدہ رفیع کلام)